مسائل

معارف القرآن

پوری تفسیر معارف القرآن میں جتنے فقہی احکام و
مسائل تفسیر کے ضمن میں آئے ہیں وہ تمام احکام و
مسائل ترتیب کے ساتھ یکجا کر دیئے گئے ہیں

منتخب از معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

انتخاب
جناب محترم صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی نمبر ا

مسائل

معارف القرآن

پوری تفسیر معارف القرآن میں جتنے فقہی احکام و مسائل تفسیر کے ضمن میں آئے ہیں وہ تمام احکام و مسائل ترتیب کے ساتھ یکجا کر دیئے گئے ہیں

منتخب از معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان

انتخاب

جناب محترم صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم

دارالاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی نمبر ۱

فہرست مضامین مسائل معارف القرآن

باب العلم

باب آداب القرآن

باب مسائل التصوف

باب احکام التعویذات

باب مسائل الصلوٰۃ

باب احکام الجنائز

باب الزکوٰۃ

باب مسائل الصوم

باب مسائل الحج

آداب نکاح

باب الطلاق

باب الرضاعۃ

باب العدۃ

باب احکام الستر والحجاب

باب الایمان والنذور

باب احکام المساجد

باب البیوع

باب الامارۃ والسیاسۃ

باب الجہاد والقتال

باب للشہادۃ

باب الحدود والقصاص

باب القضاء

باب الصید

باب الحظر والاباحۃ

باب الاکل والشرب

باب اللباس

باب حقوق المعاشرة

باب احکام المسائل الجدیدہ

باب الوصیتہ

باب المیراث

تمت

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ

حرف آغاز

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

والد ماجد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی تفسیر "معارف القرآن" کو اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی وہ کم کتابوں کو حاصل ہوتی ہے۔ حضرت والد صاحب قدس سرہٗ ازراہ تواضع فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تو یہ کتاب عام فہم انداز میں عام مسلمانوں کے لیے لکھی ہے' اہل علم کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

لیکن واقعہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو اس سے جو فائدہ پہنچا وہ تو اپنی جگہ پر ہے' لیکن اس دور میں کوئی بھی عالم جو کسی علمی مشغلے میں مصروف ہے عصر حاضر کی اس عظیم تفسیر سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اور شاید یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اس وقت اردو داں دنیا میں جہاں کہیں کوئی درس قرآن ہو رہا ہے' معارف القرآن اس کے بنیادی ماخذ میں شامل ہے۔

اس تفسیر کی دوسری خصوصیات کے علاوہ ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن کریم سے روز مرہ کی زندگی میں حاصل ہونے والی رہنمائی پر خاص توجہ دی گئی ہے اور ہر آیت کی تفسیر کے تحت ان مسائل واحکام کو بیان کرنے کا اہتمام والتزام کیا گیا ہے جو ہمارے جیتی جاگتی زندگی کے متعلق ہیں' اور قرآن کریم ان کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ فقہی احکام ومسائل کا جتنا ذخیرہ معارف القرآن میں آگیا ہے' وہ اردو زبان کی

دوسری تفاسیر میں موجود نہیں ہے۔

ان احکام و مسائل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ چونکہ بالکل آخری دور میں ایک ایسے بزرگ کے لکھے ہوئے ہیں جن کی ساری عمر فقہ اور فتویٰ کے مقدس مشغلے میں گذری ہے۔ لہٰذا اس میں عصر حاضر کے بہت سے ضرورت کے مسائل آ گئے ہیں۔

برادر محترم جناب محمد رضی عثمانی صاحب مدظلہم مالک دارالاشاعت کراچی کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خیال ڈالا کہ معارف القرآن میں جتنے احکام و مسائل آئے ہیں' ان کو ایک کتاب میں فقہی ترتیب پر مرتب کر کے الگ شائع کر دیا جائے تو اختصار پسند طبائع کے لیے یہ ایک مفید کتاب ہو گی۔

چنانچہ انہوں نے ہمارے محترم دوست جناب صوفی محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہم سے فرمائش کی کہ وہ یہ کام انجام دیں۔ انہوں نے ماشاء اللہ کافی محنت اور جانفشانی کے بعد یہ کتاب مرتب فرمائی ہے۔ پہلے پوری کتاب کے احکام و مسائل کو یکجا کیا' پھر اسے فقہی ترتیب پر مرتب فرمایا

بعد میں احقر کی درخواست پر عزیز محترم مولانا راحت علی ہاشمی صاحب استاذ دارالعلوم کراچی نے اس پر نظر ثانی بھی فرمائی' اس میں ترتیب کے لحاظ سے بھی کچھ مناسب تبدیلیاں فرمائیں اور کچھ اضافے بھی فرمائے

الحمد للہ' اب یہ کتاب اپنی موجودہ شکل میں آپ کے سامنے ہے اس میں تمام فقہی ابواب کے تحت وہ احکام و مسائل جمع ہیں جو معارف القرآن میں آئے ہیں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب ہر طبقے کے مسلمانوں کے لیے نہایت مفید ہو گی۔ اور اس سے اسلام کی ہدایات کے تحت زندگی گذارنے میں مدد ملے گی۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو حضرت مؤلف قدس سرہ' مرتبین اور ناشرین سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں اور اس کا فائدہ عام اور تام فرمائیں۔ آمین

احقر

۷ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ
دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

تعارف از مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ○ وعلی آلہ واصحابہ وذریتہ
واھل بیتہ واولیائہ اجمعین ○ برحمتک یا ارحم الراحمین ○

امابعد :

ایک بار اس ناچیز نے مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی و مرشدی' وسیلۃ یومی و غدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ میں لکھا کہ "احقر الحمد للہ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے افادات سے مضامین وغیرہ لکھتا ہے دل چاہتا ہے کہ آپ کے افادات سے لکھا کروں" جواباً حسب معمول تحریر فرمایا۔ "اللھم آمین" حق تعالیٰ شانہ نے حضرت کی دعا کی برکت سے یہ توفیق عطا فرمائی اور الحمد للہ قبل ازیں جدید مسائل کے شرعی احکام اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھپ گئی ہیں اور اب یہ احکام و مسائل کا ذخیرہ پیش خدمت ہے اگر عمر نے وفا کی' بزرگوں نے دعا کی' حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائے اور کشاکش روزگار سے فرصت ملی تو انشاء اللہ مجموعۃ الجواہر[1] قلمبند کروں گا جس میں زیادہ تر ذاتی افادات وغیرہ ہونگے حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ احسان کہ فقرہ[2] کی یہ عظیم الشان خدمت کی ناچیز کو توفیق عطا فرمائی ورنہ ۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح ، تیری مہربانی

---

[1] اسی طرح دل تمنا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اشرف البیان فی العلوم والمعارف من آیات القرآن کو مکمل کرا دیں جو حضرت حکیم الامت تھانوی کے مواعظ و ملفوظات سے عرصہ سے جمع کر رہا ہوں اللھم آمین احقر قریشی غفرلہ

[2] دوسری توفیق حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ نصیب فرمائی کہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ حسنہ و ملفوظات طیبہ کے بحر بیکراں سے احکام و مسائل یکجا کرنے کی توفیق بخشی جو اشرف الاحکام کے نام سے ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر سے طبع ہو چکی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ' محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں اور زاد آخرت و وسیلہ نجات بنائیں آمین

نقول احکام کے سلسلہ میں احباب میں جناب رانا محمد اشرف صاحب ضیاء اور جناب صوفی محمد اسلم صاحب خطیب مسجد اڈہ ہارون آباد نے بڑا تعاون فرمایا اللہ انہیں جزائے عظیم عطا فرمائیں آمین۔

ہر مسئلہ کے آخر میں معارف القرآن کی جلد کا نمبر بقید صفحات کے علاوہ قرآن پاک کی سورت کے نام کے ساتھ آیت کا نمبر بھی درج کر دیا جس سے مسلک احناف کی تائید معلوم ہوئی کہ فقہ حنفی میں کلام اللہ سے کس قدر احکام و مسائل استنباط کیے گئے ہیں۔

آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ ناچیز کی فلاح دارین اور خاتمہ ایمان پر ہونے کے لیے خصوصی دعائیں فرمائیں اور حق تعالیٰ تازیست اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق فرماتے رہیں۔ والسلام محتاج دعا

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۸۶ جمعۃ المبارک

بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ ہارون آبادی

باب

الایمان والعقائد

اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ

مسئلہ : اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام ایمان یا کفر اللہ تعالیٰ کی مشیت یا ارادہ کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔ اس لیے ہر چیز کے وجود میں آنے کے لیے اللہ جل شانہ کا ارادہ شرط ہے۔ البتہ رضا اور پسندیدگی حق تعالیٰ کی صرف ایمان اور اچھے کاموں سے متعلق ہوتی ہے۔ کفر و شرک اور معاصی اس کو پسند نہیں۔

(سورہ زمر آیت ۷) معارف القرآن ص ۵۴۲ ج ۷

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں

مسئلہ : سجدہ صرف خالق کائنات کا حق ہے۔ اس کے سوا کسی ستارے یا انسان وغیرہ کو سجدہ کرنا حرام ہے' خواہ وہ عبادت کی نیت سے ہو' یا محض تعظیم و تکریم کی نیت سے دونوں صورتیں باجماع امت حرام ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو عبادت کی نیت سے کسی کو سجدہ کرے گا کافر ہو جائے گا۔ اور جس نے محض تعظیم و تکریم کے لیے سجدہ کیا اس کو کافر نہ کہیں گے مگر ارتکاب حرام کا مجرم اور فاسق کہا جائے گا سجدۂ عبادت تو اللہ

کے سوا کسی امت و شریعت میں حلال نہیں رہا۔ کیونکہ وہ شرک میں داخل ہے اور شرک تمام شرائع انبیاء میں حرام رہا ہے۔ البتہ کسی کو تعظیماً سجدہ کرنا' یہ پچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔ دنیا میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سب فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا۔ یوسف علیہ السلام کو ان کے والد اور بھائیوں نے سجدہ کیا جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ مگر باتفاق فقہاء امت یہ حکم ان شریعتوں میں تھا۔ اسلام میں منسوخ قرار دیا گیا۔ اور غیر اللہ کو سجدہ مطلقاً حرام قرار دیا گیا۔ (سورہ حم السجدۃ آیت ۳۷ معارف القرآن ص ۶۵۳ تا ۶۵۵)

مسئلہ : ابلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں کیونکہ کسی فرض کو عملاً ترک کر دینا اصول شریعت میں فسق و گناہ ہے کفر نہیں' ابلیس کے کفر کا اصل سبب حکم ربانی سے معارضہ اور مقابلہ کرنا ہے کہ آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا حکم مجھے دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں' یہ معارضہ بلاشبہ کفر ہے۔

(البقرہ آیت ۳۴)(معارف القرآن ج۱ ص۱۹۰)

سجدہ تعظیمی اسلام میں ممنوع ہے

امام جصاص ؒ نے احکام القرآن میں فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لیے سجدہ مباح تھا۔ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں منسوخ ہو گیا اور بڑوں کی تعظیم کے لیے صرف سلام' مصافحہ کی اجازت دی گئی' رکوع' سجدہ' اور بہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دیا گیا۔

(سورہ بقرہ آیت ۳۴)(معارف القرآن ۱۸۸ ج۱)

غیر اللہ کے لیے سجدہ حرام ہے

مسئلہ: باجماع امت غیر اللہ کے لیے سجدہ حرام ہے اور بعض علماء کے نزدیک کفر ہے

(سورۃ الجن آیت ۱۸)(معارف القرآن ص۵۸۱ ج۱)

غیر اللہ کو رب کہنا جائز نہیں

لفظ رب اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ایسے الفاظ موہم شرک اور مشرکین کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں اس شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے الفاظ استعمال کرنا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔ کوئی غلام اپنے آقا کو رب نہ کہے اور کوئی آقا اپنے غلام کو بندہ نہ کہے۔

(سورۂ یوسف آیت ۲۳) (معارف القرآن ص ۳۴ ج ۵)

غیر اللہ کی طرف تخلیق کی صفت منسوب کرنا جائز نہیں

مسئلہ : "خلق" کے معنی پیدا کرنے کے ہیں جس کا مطلب ہے کسی شے کو عدم محض سے قدرت ذاتی کے بل پر وجود میں لانا۔ اس لیے یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ کسی اور کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں۔ لہٰذا ہمارے زمانے میں جو رواج چل پڑا ہے کہ اہل قلم کے مضامین شاعروں کے شعر اور مصوروں کی تصویروں کو ان کی "تخلیقات" کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ بالکل جائز نہیں اور نہ اہل قلم کو ان مضامین کا خالق کہنا درست ہے، خالق اللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ان کے رشحات قلم کو "کاوش" یا "مضمون" وغیرہ کہنا چاہئے "تخلیق" نہیں۔

(سورہ صٰفّٰت آیت ۱۲۵) (معارف القرآن جلد ہفتم ۴۷۴)

غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا بیکار ہے

مسئلہ : یہ بت بعض انبیاء یا فرشتے جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو اگر ان کو مصیبت کے وقت پکارو گے تو اولاً یہ تمہاری بات سن ہی نہ سکیں گے، کیونکہ بتوں میں تو سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں۔ انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے۔ مگر نہ وہ

ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں آگے فرمایا کہ اگر بالفرض وہ سن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں گے۔ کیونکہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے

(سورۂ فاطر آیت ۱۴) معارف القرآن حصہ ہفتم ۳۲۹

غیر اللہ کے نام پر دینے کی ممانعت

مسئلہ : سانڈ وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ یا کوئی اور جانور مرغا' بکرا وغیرہ کسی بزرگ یا اور کسی غیر اللہ کے نامزد کر دیا جاتا ہے۔ غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانوروں کو چھوڑ دینا اور اس عمل کو موجب برکت و تقرب سمجھنا اور ان جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا معاہدہ کر لینا اس کو دائمی سمجھنا یہ سب افعال ناجائز اور ان کا کرنا گناہ ہے۔

مسئلہ : اگر کسی شخص نے جہالت یا غفلت سے کسی جانور کو کسی غیر اللہ کے ساتھ نامزد کر کے چھوڑ دیا تو اس کی توبہ یہی ہے کہ اپنے اس خیال حرمت سے رجوع کرے اور اس فعل سے توبہ کرے۔ تو پھر اس کا گوشت حلال ہو جائے گا واللہ اعلم۔

(البقرہ آیت ۱۶۸) معارف القرآن جلد اول ص ۴۱۲ تا ۴۱۳

اسماء الہیہ میں کج روی کی ممانعت اور اس کی مختلف صورتیں

اسماء الہیہ میں تحریف یا کج روی کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ نام استعمال کیا جائے جو قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت نہیں علماء حق کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ جو چاہے نام رکھ دے یا جس صفت کے ساتھ چاہے اس کی حمد و ثنا کرے بلکہ صرف وہی الفاظ ہونا ضروری ہیں جو قرآن و سنت میں اللہ تعالیٰ کے لئے بطور نام یا صفت کے ذکر کیے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو کریم کہہ سکتے ہیں سخی نہیں کہ سکتے۔ نور کہہ سکتے ہیں۔ ابیض نہیں

کہہ سکتے۔ شافی کہہ سکتے ہیں۔ طبیب نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ دوسرے الفاظ منقول نہیں۔ اگرچہ انہی الفاظ کے ہم معنی ہیں۔ دوسری صورت الحاد فی الاسماء کی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جو نام قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔ ان میں سے کسی نام کو نامناسب سمجھ کر چھوڑ دے۔ اس کا بے ادبی ہونا ظاہر ہے۔

کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کے مخصوص نام سے موسوم یا مخاطب کرنا جائز نہیں

تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے مخصوص ناموں کو کسی دوسرے شخص کے لیے استعمال کرے۔ مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اسماء حسنیٰ میں سے بعض نام ایسے بھی ہیں۔ جن کو خود قرآن و حدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اور بعض وہ ہیں۔ جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لیے استعمال کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن و حدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے رحیم۔ کریم۔ رشید۔ علی۔ عزیز وغیرہ اور اسماء حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا الحاد مذکور میں داخل اور ناجائز حرام ہے۔

مثلاً رحمٰن۔ سبحان۔ رزاق۔ خالق۔ غفار۔ قدوس وغیرہ۔ پھر ان مخصوص ناموں کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا اگر کسی غلط عقیدہ کی بناء پر ہے کہ اس کو ہی خالق یا رازق سمجھ کر ان الفاظ سے خطاب کر رہا ہے۔ تب ایسا کہنا کفر ہے۔ اور اگر عقیدہ غلط نہیں محض بے فکری یا بے سمجھی سے کسی شخص کو خالق۔ رزاق یا رحمٰن۔ سبحان کہہ دیا تو اگرچہ کفر نہیں مگر مشرکانہ الفاظ ہونے کی وجہ سے گناہ شدید ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عام مسلمان اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ تو وہ ہیں۔ جنہوں نے اسلامی نام ہی رکھنا چھوڑ دیئے ان کی صورت و سیرت سے تو پہلے بھی مسلمان سمجھنا ان کا مشکل تھا۔ نام سے پتہ چل جاتا تھا۔ ان نئے نام انگریزی طرز کے رکھے

جانے لگے۔ لڑکیوں کے نام خواتین اسلام کے طرز کے خلاف خدیجہ' عائشہ' فاطمہ کے بجائے نسیم' شمیم' شہناز' نجمہ' پروین ہونے لگے۔ اس سے زیادہ افسوسناک یہ ہے کہ جن لوگوں کے اسلامی نام ہیں۔ عبدالرحمٰن' عبدالخالق' عبدالرزاق' عبدالغفار' عبدالقدوس' وغیرہ۔ ان میں تخفیف کا یہ غلط طریقہ اختیار کرلیا گیا۔ کہ صرف آخری لفظ ان کے نام کی جگہ پکارا جاتا ہے۔ رحمٰن' خالق' رزاق' غفار کا خطاب انسانوں کو دیا جارہا ہے۔ اور اس سے زیادہ غضب کی بات یہ ہے کہ قدرت اللہ کو اللہ صاحب۔ اور قدرت خدا کو خدا صاحب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ سب ناجائز و حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ جتنی مرتبہ یہ لفظ پکارا جاتا ہے۔ اتنی ہی مرتبہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہے اور سننے والا بھی گناہ سے خالی نہیں رہتا۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۸۰ معارف القرآن حصہ چہارم ص ۱۳۱ تا ۱۳۲)

یٰسین کسی کا نام رکھنا کیسا ہے

امام مالک نے اس کو اس لیے پسند نہیں کیا کہ ان کے نزدیک یہ اسماء الٰہیہ میں سے ہے۔ اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں اس لیے ممکن ہے کہ کوئی ایسی معنی ہوں جو اللہ تعالٰی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسے خالق' رازق' وغیرہ البتہ اس لفظ کو یاسین کے رسم الخط سے لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

سَلَامٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ (ابن عربی (سورہ یٰس آیت ۱)

معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۴۶۳

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے

مسئلہ : شریعت مطہرہ کا فیصلہ خود آپؐ کا فیصلہ ہے۔ آپ کا فیصلہ صرف آپ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں۔

مسئلہ : ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت

آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کی بجائے دونوں فریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی طرف رجوع کر کے اس کا حل تلاش کریں۔

مسئلہ : جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا عملاً ثابت ہو اس کے کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا ضعف ایمان کی علامت ہے۔ مثلاً جہاں شریعت نے تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی وہاں تیمم کرنے پر جس شخص کا دل راضی نہ ہو وہ اس کو تقویٰ نہ سمجھے بلکہ اپنے دل کا روگ سمجھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی متقی نہیں ہو سکتا۔ جس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ اور خود بیٹھ کر ادا فرمائی' اگر کسی شخص کا دل اس پر راضی نہ ہو اور نا قابل برداشت محنت و مشقت اٹھا کر ہی نماز ادا کرے تو وہ سمجھ لے کہ اس کے دل میں روگ ہے۔ ہاں معمولی ضرورت یا تکلیف کے وقت اگر رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ہی درست ہے۔ مگر مطلقاً شرعی رخصتوں سے تنگ دلی محسوس کرنا کوئی تقویٰ نہیں

(سورہ نساء آیت ۶۵) معارف القرآن ص۴۶۱ ج۲۔ ۴۶۳ تا ج ۲

مسئلہ : حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم مثل حکم قرآن کے واجب التعمیل ہے۔
(سورۃ الحشر آیت ۱۰)

معارف القرآن ج ۸ ص ۳۷۰

ارتداد کے متعلق چند مسائل

مسئلہ : دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بی بی نکاح سے نکل جاتی ہے۔ اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا۔ حالت اسلام میں نماز' روزہ جو کچھ کیا تھا سب کالعدم ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد جنازے کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ مسلمانوں کے مقابر میں دفن نہیں ہوتا اور آخرت میں ضائع ہونا یہ ہے کہ عبادت میں ثواب نہیں ملتا۔ ابدالآباد کے لیے دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

مسئلہ : اگر یہ شخص پھر مسلمان ہو جاوے تو آخرت میں دوزخ سے بچنے اور دنیا میں

آئندہ کے لیے احکام اسلام کا جاری ہونا تو یقینی ہے۔ لیکن دنیا میں اگر حج کر چکا تو بشرط وسعت دوبارہ اس کا فرض ہونا یا نہ ہونا اور آخرت میں پچھلے نماز روزہ کے ثواب کا عود کرنا اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ دوبارہ حج کو فرض کہتے ہیں۔ اور گذشتہ نماز روزہ پر ثواب ملنے کے قائل نہیں اور امام شافعیؒ دونوں امر میں اختلاف کرتے ہیں۔

مسئلہ : لیکن جو کافر اصلی ہو اور اس حالت میں کوئی نیک کام کر لے اس کا ثواب معلق رہتا ہے اگر کبھی اسلام لے آیا سب پر ثواب ملتا ہے۔ اور اگر کفر پر مر گیا تو سب بیکار جاتا ہے۔ حدیث میں اسلمت علی ما سلفت من خیر اسی معنی میں وارد ہے۔

مسئلہ : غرض مرتد کی حالت کافر اصلی سے بدتر ہے۔ اسی واسطے کافر اصلی سے جزیہ قبول ہو سکتا ہے۔ اور مرتد اگر اسلام نہ لاوے اگر مرد ہے قتل کر دیا جاتا ہے اگر عورت ہے تو دوام حبس کی سزا دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے اسلام کی اہانت ہوئی ہے۔ سرکاری اہانت اسی سزا کے لائق ہے۔

(سورۃ البقرہ آیت ۲۱۷) معارف القرآن حصہ اول ص ۵۲۰ تا ۵۲۱)

کفر کی ایک خاص قسم الحاد ہے اسکی تعریف اقسام اور احکام

مسئلہ : قرآن و حدیث کی اصطلاح میں آیات قرآنی سے عدول و انحراف کو الحاد کہتے ہیں۔ لغوی معنی کے اعتبار سے تو یہ عام ہے صراحۃً کھلے طور پر انکار و انحراف کرے یا تاویلات فاسدہ کے بہانے سے انحراف کرے لیکن عام طور سے الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو قرآن اور اس کی آیات پر ایمان و تصدیق کا دعویٰ کرے مگر ان کے معنی اپنی طرف سے ایسے گھڑے جو قرآن و سنت کی نصوص اور جمہور امت کے خلاف ہو۔ اور جس سے قرآن کا مقصد ہی الٹ جائے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ :- اسی لیے علماء و فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ تاویل جو تکفیر سے مانع ہوتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ضروریات دین میں ان کے مفہوم قطعی کے خلاف نہ ہو۔ ضروریات دین سے مراد وہ احکام و مسائل ہیں جو اسلام

اور مسلمانوں میں اتنے متواتر اور مشہور ہوں کہ مسلمانوں کے ان پڑھ جاہلوں تک کو بھی ان سے واقفیت ہو جیسے پانچ نمازوں کا فرض ہونا۔ صبح کی دو ظہر کی چار رکعت کا فرض ہونا رمضان کے روزے فرض ہونا۔ سود۔ شراب۔ خنزیر۔ حرام ہونا وغیرہ اگر کوئی شخص ان مسائل سے متعلق آیات قرآن میں ایسی تاویل کرے۔ جس سے مسلمانوں کا متواتر اور مشہور مفهوم الٹ جائے۔ وہ بلاشبہ باجماع امت کافر ہے۔ کیونکہ وہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے انکار ہے۔ اور ایمان کی تعریف جمہور امت کے نزدیک یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ان تمام امور میں جن کا بیان کرنا اور حکم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرورۃً ثابت ہو یعنی ایسا یقینی ثابت ہو کہ علماء کے سوا عوام بھی اسے جانتے ہوں اس کے کفر کی تعریف اس کے مقابل نہ ہوگی کہ جن چیزوں کا لانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہو ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے تو جو شخص ایسی ضروریات دین میں تاویل کرکے اس حکم کو بدلے وہ آپ کی لائی ہوئی تعلیم کا انکار کرتا ہے۔

(سورہ حم السجدہ آیت ۴۰) معارف القرآن ۶۵۹ تا ۶۶۵ ج ۷

آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا منکر کافر ہے

مسئلہ:۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لیے آسمان پر زندہ اٹھا لیا نہ ان کو قتل کیا جا سکا۔ نہ سولی پر چڑھایا جا سکا وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے۔ اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے۔ (سورہ آل عمران آیت ۵۵)۔

تفصیل کے لیے معارف القرآن ج ۲ ص ۸۰ تا ۸۷ ملاحظہ فرمائیں۔

آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے جس کا منکر کافر ہے۔ (سورہ نساء آیت ۱۵۵ تا ۱۵۹) معارف القرآن ص ۶۰۵ ج ۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی ایذا پہنچانا کفر ہے

مسئلہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی ایذا پہنچائے آپ کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً وہ کافر ہو گیا۔ اور اس آیت کی رو سے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی (کذا قال القاضی ثناء اللہ فی التفسیر المظہری)۔

مسئلہ: عام مومنین کو ایذا پہونچانے کے حرام اور بہتان عظیم ہونے کو بیان کیا ہے۔ جب کہ وہ شرعاً اس کے مستحق نہ ہوں تمام مومنین میں یہ قید اس لیے لگائی کہ ان میں دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نے کوئی ایسا کام کیا ہے جس کے بدلے میں اس کو ایذاء دینا شرعاً جائز ہے۔ (سورہ احزاب آیت ۵۸) معارف القرآن ص ۲۲۹ ج ۷

علم غیب کلی کی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنا کھلا شرک ہے

مسئلہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے برابر تمام کائنات کا علم محیط نہ تھا۔ جیسے بعض جاہل کہتے ہیں بلکہ جتنا علم حق تعالیٰ عطا فرماتے وہ مل جاتا تھا ہاں اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم عطا ہوا وہ ساری مخلوقات کے علم سے زاید ہے (سورہ نساء آیت ۱۱۳) معارف القرآن ص ۵۴۳ ج ۲

مسئلہ: بعض ناواقف غیب اور انباء الغیب میں فرق نہیں سمجھتے اس لیے وہ انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کلی ثابت کرتے ہیں اور آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ' ہر ہر ذرہ کائنات کا علم رکھنے والا کہتے ہیں۔ جو کھلا ہوا شرک ہے رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اگر کوئی شخص اپنا خفیہ

راز کسی اپنے دوست کو بتلادے جو اور کسی کے علم میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کا عالم الغیب نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ہزاروں غیب کی چیزوں کا بذریعہ وحی بتلا دینا ان کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا خوب سمجھ لیا جائے۔ (سورۃ الجن آیت ۲۷) معارف القرآن ص ۵۸۲ ج ۸

مجبوری میں کلمہ کفر کہنا

مسئلہ : جس شخص کو کلمہ کفر کہنے پر اس طرح مجبور کر دیا گیا کہ اگر یہ کلمہ نہ کہے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور یہ بھی بظن غالب معلوم ہو کہ دھمکی دینے والے کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے۔ تو ایسے اکراہ کی حالت میں اگر وہ زبان سے کلمہ کفر کہہ دے مگر اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو اور اس کلمہ کو باطل اور برا جانتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔ (قرطبی و مظہری) (سورۂ نحل آیت ۱۰۶) معارف القرآن ص ۳۹۳ ج ۵

دہر یا زمانے کو برا کہنا اچھا نہیں

مسئلہ : کفار و مشرکین زمانے کی گردش ہی کو ساری کائنات اور ان کے سارے حالات کی علت قرار دیتے تھے۔ اور اسی طرح منسوب کرتے تھے۔ جیسا کہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ درحقیقت یہ سب افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت و ارادے سے ہوتے ہیں۔ اسی لیے احادیث صحیح میں دہر یا زمانے کو برا کہنے کی ممانعت آئی ہے۔ کیونکہ کفار جس قوت کو دہر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ قوت و قدرت حق تعالیٰ ہی کی ہے۔ اس لیے دہر کو برا کہنے کا نتیجہ درحقیقت خدا تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دہر کو برا نہ کہو۔ کیونکہ دہر درحقیقت اللہ ہی ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ جاہل جس کام کو دہر کا کام کہتے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی قوت و قدرت کا کام ہے۔ دہر کوئی چیز نہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دہر اللہ تعالیٰ کے ناموں

میں سے کوئی نام ہو کیونکہ یہاں مجازاً اللہ تعالیٰ کو دہر کہا گیا ہے۔

(سورۃ الجاثیہ آیت ۲۴) معارف القرآن ہفتم ۷۸۸

موت اور مسئلہ تقدیر

مسئلہ: اگر کوئی شخص موت سے فرار کے لیے نہیں بلکہ اپنی کسی ضرورت سے دوسری جگہ چلا جائے تو وہ اس ممانعت میں داخل نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا عقیدہ اپنی جگہ پختہ ہو کہ یہاں سے دوسری جگہ چلا جانا مجھے موت سے نجات نہیں دے سکتا اگر میرا وقت آگیا ہے تو جہاں جاؤں گا موت لازمی ہے اور وقت نہیں آیا تو یہاں رہنے سے بھی موت نہیں آئے گی۔ یہ عقیدہ پختہ رکھتے ہوئے محض آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے یہاں سے چلا جائے تو وہ بھی ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح کوئی کسی ضرورت سے اس جگہ میں داخل ہو جہاں وباء پھیلی ہوئی ہے۔ اور عقیدہ اس کا پختہ ہو کہ یہاں آنے سے موت نہیں آئے گی۔ اور اللہ کی مشیت کے تابع ہے تو ایسی حالت میں اس کے لیے وہاں جانا بھی جائز ہو گا۔ بخوف موت جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۴۳) معارف القرآن حصہ اول ص ۵۹۸ تا ۵۹۹

موت سے فرار کے احکام

جو چیزیں عادۃً موت کا سبب ہوتی ہیں' ان سے فرار مقتضائے عقل بھی ہے۔ مقتضائے شرع بھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جھکی ہوئی دیوار کے نیچے سے گزرے تو تیزی کے ساتھ نکل گئے اسی طرح کہیں آگ لگ جائے وہاں سے نہ بھاگنا عقل اور شرع دونوں کے خلاف ہے۔ مگر وہ فرار من الموت جس کی مذمت آیت۔ مذکورہ میں وارد ہوئی ہے اس میں داخل نہیں جب کہ عقیدہ سالم ہو اور یہ جانتا ہو کہ

۔ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ (سورۃ الجمعہ آیت ۸)

جس وقت موت آئے گی تو میرا بھاگنا مجھے بچا نہ سکے گا۔ مگر چونکہ اس کو معلوم نہیں کہ یہ آگ یا زہر یا کوئی دوسری مہلک چیز متعین طور پر میری موت اس میں لکھ دی گئی ہے اس لیے اس سے بھاگنا فرار من الموت جو مذموم ہے۔ اس میں داخل نہیں۔

(سورۃ الجمعہ آیت ۸) ص معارف القرآن ۴۳۸ ج ۸

نبی کی حکم عدولی گمراہی ہے

مسئلہ : جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کسی کام کا حکم بطور وجوب دیدیں تو اس پر وہ کام کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس کو نہ کرنے کا اختیار شرعاً نہیں رہتا اگرچہ فی نفسہٖ وہ کام شرعاً واجب و ضروری نہ ہو۔ مگر جس کو آپ نے حکم دیدیا اس کے ذمہ لازم و واجب ہو جاتا ہے۔ اور جو ایسا نہ کرے اس کو کھلی گمراہی فرمایا ہے۔

(سورۂ احزاب آیت ۳۶) معارف القران حصہ ہفتم ص ۱۴۹

مُنکرِ رسالت مُنکرِ خدا ہے

مسئلہ : جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا منکر ہو یا قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا منکر ہو وہ اگرچہ بظاہر خدا کی عظمت و وجود کا انکار نہ کرے۔ مگر اللہ خالق کے نزدیک وہ منکرین خدا ہی کی فہرست میں شمار ہوتا ہے۔

(البقرہ آیت ۲۸) معارف القرآن ص ۱۷۳ ج ۱)

مسئلہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف اتباع کافی نہیں آپ کا ادب و احترام اور محبت بھی فرض ہے۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۵۷) معارف القرآن ص ۸۷ ج ۴

روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہت بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ممنوع ہے

مسئلہ : قاضی ابوبکر ابن عربی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپؐ کی وفات کے بعد ایسا ہی واجب ہے جیسا حیات میں تھا۔ اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ آپؐ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ادب کے خلاف ہے، اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جا رہی ہوں اس میں بھی شور وشغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپؐ کا کلام جس وقت آپؐ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہے اس وقت سب کے لیے خاموش ہو کر اس کا سننا واجب و ضروری تھا۔ اسی طرح بعد وفات جس مجلس میں آپؐ کا کلام سنایا جا تا ہو وہاں شور وشغب کرنا بے ادبی ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت ۲) معارف القرآن ج ۸ ص ۱۰۹)

مسئلہ : جس چیز کو شریعت اسلام نے ضروری یا عبادت نہ سمجھا ہو اس کو اپنی طرف سے ضروری اور عبادت سمجھ لینا جائز نہیں اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے۔ (البقرہ آیت ۱۸۹)

(معارف القرآن ص ۳۶۸ ج ۱)

صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع اور ان کی لغزشوں میں غور و بحث کرنا بدبختی ہے

مسئلہ : تفسیر مظہری میں فرمایا کہ جن اخیار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران و مغفرت کا یہ اعلان فرما دیا ہے اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت (لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ) اس کی معافی کا اعلان ہے پھر ان کے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا میدان بنانا

بدبختی اور بظاہر اس آیت کی مخالفت ہے یہ آیت روافض کے قول کی واضح تردید ہے۔ جو ابوبکرؓ و عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ پر کفرونفاق کے الزام لگاتے ہیں۔

(سورۃ الفتح آیت ۱۸) معارف القرآن ج ۸ ص ۸۱۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں پوری اُمت کا اجماعی عقیدہ

تمام صحابہ کرامؓ کی تعظیم و تکریم ان سے محبت رکھنا' ان کی مدح وثنا کرنا واجب ہے اور ان کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے ان کے معاملہ میں سکوت کرنا' کسی کو مورد الزام نہ بنانا لازم ہے۔ عقائد اسلامیہ کی تمام کتابوں میں اس اجماعی عقیدہ کی تصریحات موجود ہیں (سورۃ حدید آیت ۱۰) مزید دلائل کے لیے معارف القرآن ص ۳۰۰ تا ۳۰۱ ج ۸ ملاحظہ فرمایئے۔

مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں حکم

یہ جائز نہیں کہ کسی بھی صحابیؓ کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لیے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی۔ یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کفِ لسان کریں۔ اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں کیونکہ صحابیت بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی کہ اللہ نے انھیں معاف کر رکھا ہے۔ اور ان سے راضی ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت ۹) (معارف القرآن ۱۱۳ ج ۸)

باب

العلم

علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے

ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ اسلام کے عقائد صحیح کا علم حاصل کرے اور طہارت و نجاست کے احکام سیکھے نماز' روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے فرض اور واجب قرار دی ہیں ان کا علم حاصل کرے۔ جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے' جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے احکام و مسائل معلوم کرے جس کو حج پر قدرت ہے اس کے لیے فرض عین ہے کہ حج کے احکام و مسائل معلوم کرے جس کو بیع و شراء کرنا پڑے یا تجارت وصیت یا مزدوری یا اجرت کے کام کرنے پڑیں اس پر فرض عین ہے کہ بیع و اجارہ وغیرہ کے مسائل و احکام سیکھے۔ جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام و مسائل اور طلاق کے احکام و مسائل معلوم کرے غرض جو شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض و واجب کئے ہیں ان کے احکام و مسائل کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

علم تصوف بھی فرض عین میں داخل ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ اعمال باطنہ کا علم جس کو عرف میں علم تصوف کہا جاتا ہے یہ باطنی اعمال بھی ہر شخص پر فرض عین

ہیں۔ آج کل جس کو علم تصوف کہا جاتا ہے وہ بھی بہت سے علوم و معارف و مکاشفات واردات کا مجموعہ بن گیا ہے۔ اس جگہ فرض عین سے مراد اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں اعمال باطنہ فرض و واجب کی تفصیل ہے۔ مثلاً عقائد صحیحہ جس کا تعلق باطن سے ہے۔ صبر شکر توکل قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض عین ہیں غرور تکبر حسد بغض بخل حرص دنیا وغیرہ از روئے قرآن و سنت حرام ہیں۔ ان کی حقیقت اور اس کے حاصل کرنے یا حرام چیزوں سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہی ہے جو فرض عین ہے۔

فرض کفایہ : پورے قرآن مجید کے معانی و مسائل کو سمجھنا' تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا' قرآن و سنت سے جو احکام نکلتے ہیں ان سب کا علم حاصل کرنا اس میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل کرنا آسان نہیں اس لیے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کرلیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں۔

علم دین کا نصاب : انسان ان تمام باتوں کو سمجھ لے جن کا کرنا اس کے لیے ضروری ہے اور ان تمام باتوں کو بھی سمجھ لے جن سے بچنا اس کے لیے ضروری ہے اور دین کی سمجھ بوجھ جن ذرائع سے حاصل ہو وہ ذرائع خواہ کتابیں یا اساتذہ کی صحبت۔ ذرائع علم دین کے نصابی اجزاء ہیں۔ ملخصاً۔

علم دین کا اظہار اور پھیلانا واجب ہے اور اس کا چھپانا سخت حرام ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص دین کے کسی حکم کا علم رکھتا ہے۔ اور اس سے وہ حکم دریافت کیا جائے اگر اس کو چھپائے گا تو قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کا لگام ڈالا جائے گا" (قرطبی)

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی مسئلہ کا بیان کرنے والا وہاں موجود نہ ہو۔ اگر دوسرے علماء بھی موجود ہوں تو گنجائش ہے کہ یہ کہہ دے کہ دوسرے علماء سے دریافت کرلو۔ (قرطبی، جصاص)

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ جس کو خود صحیح علم حاصل نہیں اس کو مسائل و احکام بتلانے کی جرات نہیں کرنا چاہئے۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ علم چھپانے کی یہ سخت وعید انہیں علوم و مسائل کے متعلق ہے جو قرآن و سنت میں واضح بیان کئے گئے ہیں اور جن کے ظاہر اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ وہ باریک اور دقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ تو ایسے مسائل و احکام کا عوام کے سامنے بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۹) (معارف القرآن ص ۴۰۲، ۴۰۳ ج۱)

شاگرد پر استاد کا اتباع لازم ہے

تحصیل علم کا ادب یہی ہے کہ شاگرد اپنے استاد کی تعظیم و تکریم اور اتباع کرے اگرچہ شاگرد اپنے استاذ سے افضل و اعلیٰ بھی ہو

(سورہ کہف آیت ۶۷) معارف القرآن ص ۴۰ ج ۵

عالم یا مفتی کو ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں

امام جصاصؒ نے فرمایا کہ مفتی اور عالم کے لیے ضروری نہیں کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق کا جواب ضرور دے بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہئے جو جواب مخاطب کے فہم سے بالا تر ہو یا اس کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا خطرہ ہو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ اسی طرح بے ضرورت اور لا یعنی سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے البتہ جس شخص کو کوئی واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اس کو کچھ عمل کرنا لازم ہے اور وہ خود عالم نہیں تو مفتی اور عالم کو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری

ہے۔(سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۵)(معارف القرآن ص ۵۱۵ ج ۵)

علم نجوم کی شرعی حیثیت

علم نجوم کے ممنوع و مذموم ہونے کی پہلی حکمت یہ ہے کہ جب اس علم میں انسان کا انہماک بڑھتا ہے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ستاروں کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے۔ اور یہ چیز اسے کشاں کشاں ستاروں کے موثر حقیقی ہونے کے مشرکانہ عقیدہ کی طرف لے جاتی ہے

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خواص و آثار رکھے بھی ہوں تو ان کے یقینی علم کا ہمارے پاس سوائے وحی کے کوئی راستہ نہیں ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا کوئی علم عطا فرمایا تھا۔ لیکن اب وہ علم جس کی بنیاد وحی الٰہی پر تھی۔ دنیا سے مٹ چکا ہے۔ اب علم نجوم کے ماہرین کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ محض قیاسیات اندازے اور تخمینے ہیں جس سے کوئی یقینی علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نجومیوں کی بے شمار پیشین گوئیاں آئے دن غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں۔

علم نجوم کی ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمر عزیز کو ایک بے فائدہ کام میں صرف کرنے کے مرادف ہے جب اس سے کوئی نتیجہ یقینی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا تو ظاہر ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ علم چنداں مددگار نہیں ہو سکتا اب خواہ مخواہ ایک بے فائدہ چیز کے پیچھے پڑنا اسلامی شریعت کی روح اور مزاج کے بالکل خلاف ہے اس لیے اس کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔ (سورہ صٰفّت آیت ۸۸)

مزید تفصیل کے لیے معارف القرآن جلد ہفتم ص ۴۴۹ تا ۴۵۳ ملاحظہ فرمائیں۔

عالم مقتداء کے لیے ایک ضروری حکم

مسئلہ : عالم مقتداء کو اس کی بھی فکر رہنی چاہیئے کہ اس کی طرف سے لوگوں میں

بدگمانی پیدا نہ ہو اگرچہ وہ بدگمانی سراسر غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بدگمانی خواہ کسی جہالت یا کم فہمی ہی کے سبب سے ہو بہرحال ان کی دعوت و ارشاد کے کام میں خلل انداز ہوتی ہے لوگوں میں اس کی بات کا وزن نہیں رہتا (قرطبی) (سورۂ یوسف آیت ۵۲) معارف القرآن ص ۷۰ ج ۵۔

عالم کے فرائض : علم دین حاصل کرنے کے بعد عالم کا فرض انذار ہے جو درحقیقت وراثت نبوت کا جز ہے مگر انذار میں طرز بیان اور لب و لہجہ سے شفقت و رحمت اور خیرخواہی مترشح ہو جس سے مخاطب کو یقین ہو کہ اس کلام کا مقصد نہ مجھے رسوا و بدنام کرنا ہے نہ اپنے دل کا غبار نکالنا۔ بلکہ جس چیز کو میرے لیے ضروری اور مفید سمجھتا ہے محبت سے بتلا رہا ہے۔ (سورہ توبہ آیت ۱۲۱) (معارف القرآن ص ۴۸۹ تا ۴۹۱ ج ۴)

ائمہ مجتہدین کے فروعی اختلافات تفرق ممنوع میں داخل نہیں

مسئلہ : فروعی مسائل میں جہاں قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں یا نصوص قرآن و سنت میں کوئی ظاہری تعارض ہے وہاں ائمہ مجتہدین کا اپنے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم متعین کرلینا جس میں باہم اختلاف ہونا۔ اختلاف رائے و نظر کی بنا پر لازمی ہے۔ اس تفرق ممنوع ؎ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسا اختلاف صحابہ کرامؓ میں خود

؎ تفرق ممنوع سے یہاں مراد وہ احکام الٰہیہ ہیں جو سب انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق چلے آئے ہیں۔ یعنی اصول عقائد توحید رسالت آخرت پر ایمان اور اصول عبادت نماز روزہ حج زکوٰۃ کی نیز چوری ڈاکہ زنا جھوٹ فریب اور دوسروں کو بلاوجہ شرعی ایذا دینے وغیرہ اور عہد شکنی کی حرمت ہے جو سب ادیان سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ چلے آرہے ہیں۔ انہیں میں تفرق و اختلاف اور موجب ہلاکت امم ہے۔ (معارف القرآن جلد ہفتم ص ۶۷۸)

عہد رسالت سے چلا آتا ہے۔ اور وہ باتفاق فقہاء رحمت ہے۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۱۴)
(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۶۷۹)۔

اجتہادی اختلافات میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی اس پر نکیر جائز نہیں

اجتہادی اختلاف شرعی اجتہاد کی تعریف میں داخل ہے اس میں اپنے اپنے اجتہاد سے جس امام نے جو جانب اختیار کرلی اگرچہ عنداللہ اس میں سے صواب اور صحیح صرف ایک ہے۔ دوسرا خطاء ہے۔ لیکن یہ صواب و خطاء کا فیصلہ صرف حق تعالیٰ کے کرنے کا ہے۔ وہ محشر میں بذریعہ اجتہاد صواب پر پہنچنے والے عالم کو دوہرا ثواب عطا فرمائیں گے۔ اور جس کے اجتہاد نے خطاء کی ہے۔ اس کو ایک ثواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اجتہادی اختلاف میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ یقینی طور پر یہ صحیح ہے دوسرا غلط ہے۔ ہاں اپنی فہم و بصیرت کی حد تک ان دونوں میں جس کو وہ اقرب الی القرآن والسنۃ سمجھے اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک یہ صواب ہے۔ مگر احتمال خطا کا بھی ہے اور دوسری جانب خطاء ہے۔ مگر احتمال صواب کا بھی ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جو تمام ائمہ فقہاء میں مسلّم ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پہ نکیر خود امر منکر ہے اس سے پرہیز لازم ہے۔ یہ وہ بات ہے جس میں آج کل بہت سے اہل علم بھی غفلت میں مبتلا ہیں۔ اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر تبرا اور سب و شتم سے بھی پرہیز نہیں کرتے جس کا نتیجہ مسلمانوں میں جنگ و جدل اور انتشار اور اختلاف کی صورت میں جگہ جگہ مشاہدہ میں آرہا ہے۔

اسلاف امت میں کبھی نہیں سنا گیا کہ اجتہاد اختلاف کی بناء پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو مثلاً امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جو نماز جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے پڑھی جائے اس میں بھی مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور ظاہر ہے کہ جو اس فرض کو ادا نہیں کرے گا۔ اس کی نماز ان کے نزدیک نہیں ہوگی۔ اس کے بالمقابل امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے

فاتحہ پڑھنا جائز نہیں اس لیے حنفیہ نہیں پڑھتے لیکن پوری امت کی تاریخ میں کسی سے نہیں سنا گیا کہ شافعی مذہب والے حنفیوں کو تارک نماز کہتے ہوں کہ تمہاری نماز نہیں ہوگی اس لیے تم بے نمازی ہو یا ان پر اس طرح نکیر کرتے ہوں جیسے منکرات شرعیہ پر نکیر کی جاتی ہے۔(سورۂ آل عمران آیت ۱۰۵)

(معارف القرآن ص ۱۴۳، ۱۴۴ ج ۲)

جاہل کو عالم کی تقلید واجب ہے

مسئلہ : تفسیر قرطبی میں فرمایا کہ اس آیت (سورۃ الانبیاء آیت ۷) سے معلوم ہوا کہ جاہل آدمی جس کو احکام شریعت معلوم نہ ہوں اس پر عالم کی تقلید واجب ہے کہ عالم سے دریافت کرکے اس کے مطابق عمل کرے۔

(معارف القرآن ص ۱۷۷ ج ۶)

مسئلہ : نااھل کو مقتدا بنانا ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔ قرآن کریم نے اقتداء کا معیار دو چیزوں کو بنایا ہے۔ علم اور اقتداء علم سے مراد منزل مقصود اور اس کے طریقوں کا جاننا ہے اور اہتداء سے مراد اس مقصد کی راہ پر چلنا یعنی صحیح علم پر عمل مستقیم۔

(سورہ مائدہ آیت ۱۰۵) معارف القرآن ص ۲۴۹، ۲۵۰ ج ۳۔

مسئلہ : حق بات کو چھپانا یا اس میں خلط ملط کرنا حرام ہے۔ آیت وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ الخ سے ثابت ہوا کہ حق بات کو غلط باتوں کے ساتھ گڈمڈ کرکے اس طرح پیش کرنا جس سے مخاطب مغالطہ میں پڑ جائے۔ جائز نہیں۔ اسی طرح کسی خوف یا طمع کی وجہ سے حق بات کا چھپانا بھی حرام ہے۔

(سورہ البقرہ آیت ۴۲ معارف القرآن ص ۲۰۸ ج ۱)

باب

آداب القرآن

قرآن مجید کو ہاتھ سے چھونے کے لیے طہارت شرط ہے

مسئلہ : جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لیے طہارت شرط ہے اس کے خلاف گناہ ہے ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا' باوضو ہونا' حالت جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے۔

مسئلہ : قرآن مجید کا غلاف جو جلد کے ساتھ سلا ہوا ہو وہ بھی بحکم قرآن ہے اس کو بھی بغیر وضو و بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا باتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے البتہ قرآن مجید کا جزوان جو علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے اگر اس میں قرآن بند ہے تو اس جزوان کے ساتھ قرآن کریم کا ہاتھ لگانا بلا وضو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔
مگر امام مالک و شافعیؒ کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔

مسئلہ : جو کپڑا آدمی نے پہنا ہوا ہے۔ اس کی آستین یا دامن سے قرآن مجید کو بلا وضو چھونا جائز نہیں البتہ علیحدہ رومال یا چادر سے چھوا جا سکتا ہے۔

مسئلہ : علماء نے فرمایا ہے کہ اسی آیت ۔۔۔ سے بدرجہ اولیٰ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں قرآن کی تلاوت بھی جائز نہیں جب تک غسل نہ

ـــہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ○ (الواقعہ آیت ۷۹)

کرے کیونکہ مصحف میں لکھے ہوئے حروف و نقوش کی جب یہ تعظیم واجب ہے تو اصل حروف جو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کی تعظیم اس سے زیادہ اہم اور واجب ہونا چاہئے۔ اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ بے وضو آدمی کو بھی تلاوت قرآن جائز نہ ہو مگر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث جو بخاری و مسلم میں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث جو مسند احمد میں ہے اس سے بغیر وضو کے تلاوت قرآن پاک فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لیے فقہاء نے بلا وضو تلاوت کی اجازت دی ہے

(مظہری)(سورہ واقعہ آیت ۷۹)(معارف القرآن ص ۲۸۷، ۲۸۸ جلد ۸)

ایسی تحریر جس میں کوئی آیت قرآنی لکھی ہو کیا کسی کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے؟

مسئلہ: اپنا خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے۔ جب کہ وہ مسلمان نہیں تھیں حالانکہ اس خط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم○ لکھا ہوا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں۔ اور وہ مشرک تھے۔ ان میں بھی بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آگئی ہے۔ وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لیے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا۔ وہ کسی کافر کے ہاتھ میں دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ میں بھی۔

(عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ)(سورۃ النمل آیت ۱۰)

(معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۷۹)

ترتیل قرآن کا مطلب

مسئلہ: قرآن کا صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر

کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ترتیل فرماتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں آپؐ کی تلاوت قرآن کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے نقل کر کے بتایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی از مظہری)

مسئلہ : ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قرأت و تلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے۔ جو خوش آوازی کے ساتھ جہراً تلاوت کرے (مظہری)

اور اصل ترتیل وہی ہے کہ حروف و الفاظ کی ادائیگی بھی صحیح اور صاف ہو اور پڑھنے والا اس کے معانی پر غور کر کے اس سے متاثر بھی ہو رہا ہے جیسا کہ حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص پر ہوا جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا۔ اور رو رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا ہے۔ یہی ترتیل ہے (جو یہ شخص کر رہا ہے۔ (سورۃ المزمل آیت ۴)

(معارف القرآن ص ۵۹۰، ۵۹۴ ج ۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مسئلہ : تعوذ

تعوذ کے معنی ہیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

"یعنی جب تم قرآن کی تلاوت کرو۔ تو اللہ سے پناہ مانگو شیطان مردود کے شر سے"

قرآن کی قرأت سے پہلے تعوذ پڑھنا باجماع امت سنت ہے۔ خواہ تلاوت نماز کے اندر ہو یا خارج نماز تعوذ پڑھنا تلاوت قرآن کے ساتھ مخصوص ہے۔ علاوہ تلاوت کے دوسرے کاموں کے شروع میں صرف بسم اللہ پڑھی جائے۔ تعوذ مسنون نہیں۔
(عالمگیری' باب رابع من الکراہتہ)

جب قرآن شریف کی تلاوت کی جائے اس وقت اعوذ باللہ اور بسم اللہ دونوں پڑھی جائیں۔ درمیان تلاوت میں جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری شروع ہو تو سورہ برأت کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں مکرر بسم اللہ پڑھی جائے۔ اعوذباللہ نہیں۔ اور سورہ برأت اگر درمیان تلاوت میں آجائے تو اس پر بسم اللہ نہ پڑھے۔ اور اگر قرآن کی تلاوت سورہ برأت ہی سے شروع کر رہا ہے تو اس کے شروع میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔ (عالمگیریہ عن المحیط)

مسئلہ : پہلی رکعت کے شروع میں اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آواز سے پڑھا جائے یا آہستہ' امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بہت سے دوسرے ائمہ آہستہ پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ پہلی رکعت کے بعد دوسری رکعتوں کے شروع میں بھی بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔ اس کے مسنون ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اور بعض روایات میں ہر رکعت کے شروع میں بھی بسم اللہ پڑھنے کو واجب کہا گیا ہے
(شرح منیہ) معارف القرآن ص ۵۷ جلد اول

مسئلہ : قرآن کی تلاوت شروع کرنے کے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا سنت ہے اور درمیان تلاوت میں سورہ برأت کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ معارف القرآن ص ۵۷ جلد اول۔

مسئلہ : نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھنا چاہئے۔ خواہ جہری نماز ہو۔ یا سری۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ سے ثابت نہیں ہے۔ شرح منیہ میں اسی کو امام اعظمؒ اور ابو یوسفؒ کا قول لکھا ہے۔ اور شرح منیہ۔ در مختار۔ برہان وغیرہ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ مگر امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ سری نمازوں میں پڑھنا بہتر ہے۔ بعض روایات میں یہ قول ابو حنیفہؒ کی طرف بھی

منسوب کیا گیا ہے۔ اور شامیؒ نے بعض فقہاء سے اس کی ترجیح بھی نقل کی ہے۔ ''بہشتی زیور'' میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کوئی پڑھ لے تو مکروہ نہیں (شامی) سورۃ الفاتحہ آیت ۲) معارف القرآن ص ۷۷ جلد اول۔

تعوذ کے مزید احکام

مسئلہ: تلاوت قرآن سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کا پڑھنا اس آیت کی تعمیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ مگر کبھی کبھی اس کا ترک بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس لیے جمہور علماء امت نے اس حکم کو واجب نہیں بلکہ سنت قرار دیا ہے اور ابن جریر طبری نے اس پر اجماع امت نقل کیا ہے اس معاملہ میں روایات حدیث قولی اور عملی، تلاوت سے پہلے اکثر حالات میں اعوذ باللہ پڑھنے کی اور بعض حالات میں نہ پڑھنے کی یہ سب ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کے شروع میں مبسوط نقل کی ہیں۔

مسئلہ: نماز میں تعوذ یعنی اعوذ باللہ صرف پہلی رکعت کے شروع میں پڑھا جائے۔ یا ہر رکعت کے شروع میں، اس میں ائمہ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف پہلی رکعت میں پڑھنا چاہیے اور امام شافعیؒ ہر رکعت کے شروع میں پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

مسئلہ: تلاوت قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے۔ مگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک تعوذ کافی ہے۔ البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں مشغول ہو گیا اور پھر دوبارہ شروع کیا تو اس وقت پھر دوبارہ تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ: تلاوت قرآن کے علاوہ کسی دوسرے کلام یا کتاب پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں وہاں صرف بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔ (در مختار شامی)

البتہ مختلف حالات اور اعمال میں تعوذ کی تعلیم احادیث میں منقول ہے۔ مثلاً

جب کسی کو غصہ زیادہ ہو۔ تو حدیث میں ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
پڑھنے سے شدتِ غضب فرو ہو جاتی ہے۔ (ابن کثیر)
نیز حدیث میں ہے کہ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ پڑھنا ثابت ہے (شامی) (سورہ نحل آیت ۹۸)۔ تفسیر معارف القرآن حصہ پنجم ۳۸۹۔

تلاوت قرآن کے وقت بُکا یعنی آبدیدہ ہونا سنّت انبیاء ہے

قرآن کی تلاوت کے وقت بُکا (رونے) کی کیفیت پیدا ہونا محمود اور انبیاء علیہم السلام کا وصف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ و تابعین اور اولیاء اللہ سے بکثرت اس کے واقعات منقول ہیں۔ (سورہ مریم آیت ۵۸) معارف القرآن جلد ششم ص۳۱

تلاوت قرآن کے وقت خاموش ہو کر سننا واجب ہے خاموش نہ رہنا کفار کی عادت ہے

مسئلہ : تلاوت قرآن میں خلل ڈالنے کی نیت سے شور و غل کرنا تو کفر کی علامت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاموش ہو کر سننا واجب اور ایمان کی علامت ہے۔ آج کل ریڈیو پر تلاوت قرآن نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ ہر ہوٹل اور مجمع کے مواقع میں ریڈیو کھولا جاتا ہے۔ جس میں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو اور ہوٹل والے خود اپنے دھندوں میں لگے رہتے ہیں اور کھانے پینے والے اپنے شغل میں۔ اس کی صورت وہ بن جاتی ہے۔ جو کفار کی علامت تھی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت فرما دیں کہ یا تو ایسے مواقع پر تلاوت قرآن کے لیے نہ کھولیں اگر کھولنا ہے اور برکت حاصل کرنا ہے۔ تو چند منٹ سب کام بند کر کے خود بھی اس طرف متوجہ ہو کر سنیں دوسروں کو بھی اس کا موقع دیں۔ (سورہ حم السجدہ آیت ۲۶) معارف القرآن جلد ہفتم ص ۶۴۷۔

تلاوت قرآن اور ایصال ثواب

جمہور ائمہ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس طرح دعا اور صدقہ کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تلاوت قرآن اور ہر نفلی عبادت کا ثواب دوسرے شخص کو بخشا جا سکتا ہے اور وہ اس کو ملے گا (صرف اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے) قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ مومن کو دوسرے شخص کی طرف سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے تفسیر مظہری میں اس جگہ ان احادیث کو جمع کر دیا ہے جن سے ایصال ثواب کا فائدہ دوسرے کو پہنچنا ثابت ہوتا ہے

(سورہ نجم آیت ۳۹)(معارف القرآن ج ۸ ص ۲۱۹)

تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہ کر سننے کے متعلق چند ضروری مسائل

نماز کے اندر قرآن کی طرف کان لگانا اور خاموش رہنا تو عام طور پر مسلمانوں کو معلوم ہے۔ گو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ امام نے کونسی سورت پڑھی ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ قرآن کی عظمت کو پہچانیں اور سننے کی طرف دھیان رکھیں خطبہ جمعہ وغیرہ کا بھی شرعاً یہی حکم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد خاص طور سے خطبہ کے متعلق یہ آیا ہے کہ اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام یعنی جب امام خطبہ کے لیے نکل آئے تو نہ نماز ہے۔ نہ کلام اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت کوئی شخص دوسرے کو نصیحت کے لیے زبان سے یہ بھی نہ کہے کہ خاموش رہو۔ (کرنا ہی ہو تو ہاتھ سے اشارہ کر دے) غرض دوران خطبہ میں کسی طرح کا کلام، تسبیح، درود یا نماز وغیرہ جائز نہیں فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو حکم خطبہ جمعہ کا ہے وہی عیدین کے خطبہ کا اور نکاح وغیرہ کے خطبہ کا ہے کہ اس وقت کان لگانا اور خاموش رہنا واجب ہے۔

البتہ نماز اور خطبہ کے علاوہ تمام حالات میں کوئی شخص بطور خود تلاوت کر رہا ہے۔ تو دوسروں کو خاموش رہ کر اس کا کان لگانا واجب ہے یا نہیں۔ اس میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض حضرات نے اس صورت میں بھی کان لگانے اور خاموش رہنے کو واجب اور اس کے خلاف کرنے کو گناہ قرار دیا ہے۔ اور اسی لیے ایسی جگہ جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں یا آرام کرتے ہوں۔ کسی کے لیے باآواز بلند قرآن پڑھنے کو جائز نہیں رکھا۔ اور جو شخص ایسے مواقع میں قرآن باآواز بلند پڑھتا ہے اس کو گناہ گار فرمایا ہے خلاصۃ الفتاوی وغیرہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

لیکن بعض دوسرے فقہاء نے یہ تفصیل فرمائی ہے کہ کان لگانا اور سننا صرف ان جگہوں میں واجب ہے جہاں قرآن کو سنانے ہی کے لیے پڑھا جا رہا ہو۔ جیسے نماز و خطبہ وغیرہ میں اور اگر کوئی شخص بطور خود تلاوت کر رہا ہے۔ یا چند آدمی کسی ایک مکان میں اپنی اپنی تلاوت کر رہے ہیں تو دوسرے کی آواز پر کان لگانا اور خاموش رہنا واجب نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں جہراً قرأت فرماتے تھے اور ازواج مطہرات اس وقت نیند میں ہوتی تھیں۔ بعض اوقات حجرہ سے باہر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی جاتی تھی۔ بعض روایات کی وجہ سے فقہاء نے خارج نماز تلاوت کے معاملہ میں گنجائش دی ہے۔ لیکن اولیٰ اور بہتر سب کے نزدیک یہی ہے کہ خارج نماز بھی جب کہیں سے تلاوت قرآن کی آواز آئے تو اس پر کان لگائے اور خاموش رہے اور اس لیے اسی مواقع میں جہاں لوگ سونے میں یا اپنے کاروبار میں مشغول ہوں تلاوت قرآن باواز بلند کرنا مناسب نہیں۔

اسی طرح رات کو لاؤڈ اسپیکر لگا کر مسجدوں میں تلاوت قرآن اس طرح کرنا کہ اس کی آواز سے باہر کے سونے والوں کی نیند یا کام کرنے والوں کے کام میں خلل آئے' درست نہیں۔ (سورۂ اعراف آیت ۲۰۴ معارف القرآن جلد ۴ ص ۱۹۳ تا ۱۹۴)

سورہ حج کا سجدۂ تلاوت

مسئلہ : سورہ حج میں ایک آیت تو پہلے گزر چکی ہے۔ جس پر سجدہ تلاوت کرنا باتفاق

واجب ہے۔ اس آیت پر جو یہاں مذکور ہے۔ سجدۂ تلاوت کے وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اس آیت پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ کیونکہ اس میں سجدہ کا ذکر رکوع وغیرہ کے ساتھ آیا ہے۔ جس سے نماز کا سجدہ مراد ہونا ظاہر ہے۔ جیسے وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ میں سب کا اتفاق ہے کہ سجدہ نماز مراد ہے۔ اس کی تلاوت کرنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح آیت مذکورہ پر بھی سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ امام شافعی امام احمد کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدۂ تلاوت وغیرہ واجب ہے۔ ان کی دلیل ایک حدیث ہے۔ جس میں یہ ارشاد ہے کہ سورۂ حج کو دوسری سورتوں پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدۂ تلاوت ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس روایت کے ثبوت میں کلام ہے تفصیل اس کی کتب فقہ و حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(سورۃ الحج آیت ۷۷)(معارف القرآن حصہ ششم ص ۲۸۸)

سورۃ الاعلیٰ پڑھنے کے وقت مسنون کلمہ

مسئلہ : علماء نے فرمایا کہ جب قاری سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کی تلاوت کرے تو مستحب ہے کہ یہ کہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباسؓ ابن عمرؓ ابن زبیرؓ ابو موسیٰ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی معمول تھا کہ جب یہ سورت شروع کرتے تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہا کرتے تھے (قرطبی) یعنی نماز کے علاوہ جب تلاوت کریں تو ایسا کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ : حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے روایت ہے کہ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوھا فی سجودکم یعنی یہ کلمہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى اپنے سجدہ میں کہا کرو۔

۱؎ یعنی سورۂ حج آیت ۱۸۔ انوار الحق قاسمی

۲؎ یعنی سورۂ حج آیت ۷۷۔ انوار الحق قاسمی

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اپنے رب کے نام کو پاک رکھیے

مسئلہ : اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکاریئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائے ہیں۔ ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

مسئلہ : اسی طرح اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کے لیے استعمال کرنا اس کی تنزیہ و تقدیس کے خلاف ہے اس لیے جائز نہیں (قرطبی) جیسے رحمٰن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ آج کل اس معاملہ میں غفلت بڑھتی جا رہی ہے لوگوں کو ناموں کے اختصار کا شوق ہے۔ عبدالرحمٰن کو رحمٰن، عبدالرزاق کو رزاق، عبدالغفار کو غفار بے تکلف کہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا کہنے والا اور سننے والا دونوں گناہ گار ہوتے ہیں اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلاوجہ ہوتا رہتا ہے۔ (سورۃ الاعلیٰ آیت ۱) (معارف القرآن ج ۸ ص ۷۴۲)

مسئلہ : سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح مصری نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ بتلائے ہیں (مظہری)
ابن کثیرؒ نے ہر سورت کے ختم پر اور بغوی نے ہر سورت کے شروع میں ایک مرتبہ تکبیر کہنے کو سنت کہا ہے (مظہری) ان دونوں میں سے جو صورت بھی اختیار کرے سنت ادا ہو جائے گی۔ واللہ اعلم (سورہ والضحیٰ آیت ۱) (معارف القرآن ج ۸ ص ۷۶۸)

سورۃ التین پڑھتے وقت مسنون کلمہ

مسئلہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورہ تین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ○

تو اس کو چاہئے کہ یہ کلمہ کہے۔

بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○

اس لیے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے۔
(سورۃ التین آیت ۸) معارف القرآن ج ۸ ص ۷۷۷

قرآن کو عملاً متروک کر دینا بھی گناہ عظیم ہے

قرآن کو مہجور و متروک کر دینے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن پر تو ایمان رکھتے ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی۔ وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔
(سورۃ الفرقان آیت ۳۰) (معارف القرآن ج ۶ ص ۴۷۱)۔

مسئلہ : ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن پر اجرت لینا باتفاق جائز نہیں۔
علامہ شامیؒ نے درمختار کی شرح میں اور اپنے رسالہ شفاء العلیل میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کو جن متاخرین فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ اس کی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے دین کا پورا نظام مختل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کو ایسی ہی ضرورت کے مواقع میں محدود رکھنا ضروری ہے۔
اس لیے مردوں کو ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن کرانا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے کیونکہ اس پر کسی عام دینی ضرورت کا مدار نہیں اور اجرت لے کر پڑھنا حرام ہو تو اس طرح پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گناہ گار ہوئے اور جب پڑھنے والے ہی کو کوئی ثواب نہ ملا تو میت کو وہ کیا پہنچائے گا۔
علامہ شامیؒ نے اس بات پر فقہاء کی بہت سی تصریحات تاج الشریعۃ عینی شرح ھدایہ، حاشیہ خیر الدین بر بحر الرائق وغیرہ سے نقل کی ہیں اور خیر الدین رملی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ایصال ثواب کے لیے قبر پر قرآن پڑھوانا یا اجرت دے کر ختم قرآن کرانا صحابہ و تابعین اور اسلاف امت سے کہیں منقول نہیں۔ اس لیے بدعت ہے
(شامی ص ۴۷، ج ۱) (سورۃ البقرہ آیت ۴۱) (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۰۸)

○☆○

عبادت پر اجرت

قرآن مجید کے اشارات اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی عبادت پر اجرت و معاوضہ لینا حرام ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں بروایت عبدالرحمٰن بن شبل منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِقْرَأُوا الْقُرْاٰنَ وَلَا تَاْكُلُوا بِهٖ
"یعنی قرآن پڑھو مگر اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ۔"

اور بعض روایات میں اس معاوضہ کو قطعہ جہنم فرمایا ہے۔ جو قرآن پر لیا جائے۔ اس کی بناء پر فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ طاعات و عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صدقات وصول کرنے کا کام ایک دینی خدمت اور عبادت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قسم کا جہاد فرمایا ہے۔ اس کا مقتضٰی یہ تھا کہ اس پر بھی کوئی اجرت و معاوضہ لینا حرام ہوتا' حالانکہ قرآن کریم کی اس آیت نے صراحۃً اس کو جائز قرار دیا۔ اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں اس کو داخل فرمایا۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس کے متعلق فرمایا کہ جو عبادات فرض یا واجب عین ہیں۔ ان پر اجرت لینا مطلقاً حرام ہے لیکن جو فرض کفایہ ہیں ان پر کوئی معاوضہ لینا اسی آیت کی رو سے جائز ہے۔ فرض کفایہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام پوری امت یا پورے شہر کے ذمہ فرض کیا گیا ہے۔ مگر یہ لازم نہیں کہ سب ہی اس کو کریں۔ اگر بعض لوگ ادا کر لیں تو سب سبکدوش ہو جاتے ہیں البتہ کوئی بھی نہ کرے تو سب گناہ گار ہوتے ہیں۔

اما قرطبیؒ نے فرمایا کہ اسی آیت سے ثابت ہوا کہ امامت و خطابت کا معاوضہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ وہ بھی واجب علی العین نہیں بلکہ واجب علی الکفایۃ ہیں۔ انتہیٰ

اسی طرح تعلیم قرآن و حدیث اور دوسرے دینی علوم کا بھی یہی حال ہے کہ یہ سب کام پوری امت کے ذمہ فرض کفایہ ہیں؟ اگر بعض لوگ کر لیں تو سب سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اگر اس پر کوئی معاوضہ اور تنخواہ لی جائے تو وہ بھی جائز ہے۔

اسی طرح بہت لوگ ناواقفیت سے ان لوگوں کو عاملین صدقہ کے حکم میں داخل سمجھ کر زکوٰۃ ہی کی رقم سے ان کی تنخواہ دیتے ہیں، یہ نہ دینے والوں کے لیے جائز ہے نہ لینے والوں کے لئے۔" (سورۃ توبہ آیت ۶۰) معارف القرآن حصہ چہارم ص ۳۹۹ تا ۴۰۰

زکوٰۃ کی فوری تملیک ضروری ہے

بہت سے ادارے زکوٰۃ فنڈ وصول کر کے اس کو سالہا سال رکھے رہتے ہیں اور اصحاب زکوٰۃ سمجھتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہو گئی حالانکہ ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا ہو گی جب ان کی رقم مصارف زکوٰۃ میں صرف ہو جائے۔

دعویٰ اور دعوت میں فرق

مسئلہ: ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ اور اللہ تعالیٰ سے ناراضی کا سبب ہے کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ کا مصداق یہی ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ ارادہ کرنے کا ہو وہاں بھی اپنی قوت و قدرت پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔

دعویٰ اور دعوت میں فرق مذکورہ تفسیر سے یہ معلوم گیا کہ ان آیات کا تعلق دعوے سے ہے کہ جو کام آدمی کو کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے۔ رہا معاملہ دعوت و تبلیغ، وعظ و نصیحت کا جو کام آدمی خود نہیں کرتا، اس کی نصیحت دوسروں کو کرے۔ اور اس کی طرف دوسرے مسلمانوں کو دعوت دے وہ اس آیت کے مفہوم میں تو شامل نہیں اس کے احکام دوسری آیات و احادیث میں مذکور ہیں مثلاً قرآن کریم نے فرمایا

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ

یعنی تم لوگوں کو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو کہ خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے۔ اس آیت نے امر بالمعروف اور وعظ و نصیحت کرنے والوں

کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو اور مقصد یہ ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے۔ جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو' خود بھی اس پر عمل کرو لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو' اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک کام کے کرنے کی خود ہمت و توفیق نہیں ہے۔ اس کی طرف دوسروں کو بلانے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ نہ چھوڑے امید ہے کہ اس وعظ و نصیحت کی برکت سے کسی وقت اس کو عمل کی توفیق ہو جائے' جیسا کہ بکثرت تجربہ و مشاہدہ میں آیا ہے البتہ اگر وہ عمل واجب یا سنت مؤکدہ کے درجہ میں ہے تو آیات مذکورہ پر نظر کر کے اپنے نفس میں نادم و شرمندہ ہونے کا سلسلہ جاری رکھنا بھی واجب ہے۔ اور اگر مستحبات کے متعلق ہے تو یہ سلسلہ ندامت بھی مستحب ہے۔ (معارف القرآن ص ۴۲۴ تا ۴۲۵ ج ۸)

دعوت و تبلیغ کے بعض آداب

انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار و تکذیب ان کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا۔ آج بھی دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ (سورۃ القصص آیت ۵۱ معارف القرآن ص ۶۳۳ ج ۶)

تبلیغ و دعوت کے اہم اصول

اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہشمند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مختلف العقیدہ جماعت کو صرف اس چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہے (سورہ آل عمران آیت ۶۴) معارف القرآن ص ۸۷ ج ۲)

○☆○

حقانیت اسلام کو دلائل کے ساتھ سمجھانا علماء دین کا فرض ہے

اگر کوئی کافر مسلمانوں سے مطالبہ کرے کہ مجھے حقانیت اسلام دلیل سے سمجھاؤ تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا مطالبہ پورا کریں اور حقانیت اسلام کو دلائل سے سمجھانا علماء دین کا فرض ہے۔(سورۃ توبہ آیت ۱۱ معارف القرآن ص ۳۱۸ ج ۴)

کسی دنیاوی مکان کا نام دارالسلام رکھنا منع ہے

دنیا میں کسی گھر کا نام دارالسلام رکھنا مناسب نہیں جیسے جنت یا فردوس وغیرہ نام رکھنا بھی درست نہیں۔(سورۂ یونس آیت ۲۵)(معارف القرآن ج ۴ ص ۵۲۹)

تعلیم اور تبلیغ پر اجرت لینے کا حکم

مسئلہ : تعلیم اور تبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے۔ اس لیے سلف صالحین نے اجرت لینے کو حرام کہا ہے لیکن متاخرین نے اس کو بحالت مجبوری جائز قرار دیا ہے۔
(سورۃ الشعراء آیت ۱۰) معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۴۴

مصلح کا فرض ہے کہ اصلاح کا کام اپنے اہل و عیال سے شروع کرے۔(سورہ مریم آیت ۵۵) معارف القرآن جلد ۶ ص ۶۴۳)

باب

مسائل تصوف

اپنی مدح سرائی اور عیوب سے پاک ہونے کا دعویٰ جائز نہیں

مسئلہ : اگر مذکورہ عوارض نہ ہوں تو نعمت کے اظہار کے طور پر اپنی صفت بیان کرنے کی اجازت ہے۔ (بیان القرآن) کسی کو اپنی یا دوسروں کی پاکی بیان کرنا جائز نہیں یہ ممانعت تین وجہ سے ہے۔

۱۔ اپنی مدح کا سبب اکثر کبر ہوتا ہے۔ تو حقیقت میں ممانعت کبر سے ہوئی۔

۲۔ یہ کہ خاتمہ کا حال اللہ کو معلوم ہے کہ تقویٰ و طہارت پر ہو گا یا نہیں اس لیے اپنے آپ کو مقدس بتلانا خلاف خوف الٰہی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس وقت چونکہ میرا نام برہ تھا (جس کے معنی ہیں گناہوں سے پاک) میں نے وہی بتلایا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ سَمُّوْهَا زَيْنَبَ (رواہ بحوالہ مشکوٰۃ) یعنی تم اپنے آپ کی گناہوں سے پاکی بیان نہ کرو۔ کیونکہ یہ علم صرف اللہ ہی کو ہے کہ تم میں سے کون پاک ہے۔ پھر برہ کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نام رکھا۔

(مظہری)

۳۔ ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات اس دعوے سے لوگوں کو یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ یہ آدمی اللہ کے ہاں اس لیے مقبول ہے کہ یہ تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہے۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ بہت سے عیوب بندہ میں موجود ہوتے ہیں۔ (سورہ نساء آیت ۵۰) بیان القرآن ص ۴۳۰ تا ۴۳۱ معارف القرآن حصہ دوم

کسی مسلمان کی شان میں تمسخر، طعنہ زنی اور برے لقب کی ممانعت

مسئلہ: سورۃ الحجرات آیت ۱۱ تین چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے اول کسی مسلمان کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرنا۔ دوسرے کسی پر طعنہ زنی کرنا تیسرے کسی کو ایسے لقب سے ذکر کرنا جس سے اس کی توہین ہوتی ہو یا وہ اس سے برا مانتا ہو جیسے کسی کو اندھا، لولا، لنگڑا یا کانا کہہ کر پکارنا۔ یا اس لفظ سے اس کا ذکر کرنا جو کسی شخص کی تحقیر کے لیے استعمال کیا جاتا ہو یا جس نے چوری، شراب، زنا وغیرہ سے توبہ کر لی ہو اس کو چور، شرابی یا زانی کہہ کر پکارنا، اس کو اس کے پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے مگر بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں جو فی نفسہ برے ہیں مگر وہ بغیر اس لفظ کے پہچانا ہی نہیں جاتا تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت پر علماء کا اتفاق ہے بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا قصد اس سے تحقیر و تذلیل کا نہ ہو جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ اعرج یا احدب مشہور ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جس کے ہاتھ نسبتاً زیادہ طویل تھے۔ ذوالیدین کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کے ساتھ کچھ ایسے القاب آتے ہیں۔ مثلاً حمید الطویل، سلیمان الاعمش، مروان الاصفر وغیرہ تو کیا ان القاب کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے آپ نے فرمایا کہ جب تمہارا قصد اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۱) (معارف القرآن ص۱۱۵ ج ۸ ملخصاً)

○☆○

کسی غیر مسلم کے اچھے اوصاف کی مدح کرنا درست ہے

مسئلہ : کسی غیر مسلم کے اچھے اوصاف کی مدح کرنا درست ہے۔
(سورۃ آل عمران آیت ۷۵)(معارف القرآن ج ۲ ص ۹۳)

میانہ روی

مسئلہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی۔ اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔
(سورۃ لقمٰن آیت ۱۹)(معارف القرآن جلد ہفتم ص ۳۹)

تجسس کی حرمت

مسئلہ : تجسس یعنی کسی کے عیب کی تلاش اور سراغ لگانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کی جستجو نہ کرو۔ کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عیب کی تلاش کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاش اللہ تعالیٰ کرے۔ اس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کر دیتا ہے۔"

کسی مسلمان کا جو عیب ظاہر نہ ہو اس کی جستجو اور تلاش کرنا جائز نہیں۔

بیان القرآن میں آیا ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا اپنے کو سوتا بنا کر باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۲)(معارف القرآن ص ۱۳۰، ۱۳۱ ج ۸)

ظن کے اقسام واحکام

مسئلہ : امام ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں ایک جامع تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ظن کی چار قسمیں ہیں ایک حرام ہے۔ دوسری مامور بہ اور واجب ہے تیسری مستحب ومندوب ہے چوتھی مباح اور جائز ہے۔

ظن حرام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھے کہ وہ مجھے عذاب ہی دے گا یا مصیبت ہی میں رکھے گا۔ اس طرح کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے گویا مایوس ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کسی کو اس کے بغیر موت نہ آنی چاہئے کہ اس کا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو" اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا عند ظن عبدی بی یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اس کو اختیار ہے میرے ساتھ جو چاہے گمان رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن فرض ہے اور بدگمانی حرام ہے۔

اسی طرح ایسے مسلمان جو ظاہری حالت میں نیک دیکھے جاتے ہیں ان کے متعلق بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی حرام ہے حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان جھوٹی بات ہے۔ یہاں ظن سے مراد باتفاق کسی مسلمان کے ساتھ بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا ہے۔

اور جو کام ایسے ہیں کہ ان میں کسی جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے اور اس کے متعلق قرآن وسنت میں کوئی دلیل واضح موجود نہیں وہاں ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے جیسے باہمی منازعات ومقدمات کے فیصلہ میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ دینا کیونکہ حاکم اور قاضی جس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہے۔ اس پر اس کا فیصلہ دینا واجب اور ضروری ہے اور اس خاص معاملہ کے لیے کوئی نص قرآن وحدیث میں موجود نہیں تو ثقہ آدمیوں کی گواہی پر عمل کرنا اس کے لیے واجب ہے اگرچہ یہ امکان و

احتمال وہاں بھی ہے کہ شاید کسی ثقہ آدمی نے اس وقت جھوٹ بولا ہو' اس لیے اس کا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے اور اسی پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جہاں سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس سے سمت قبلہ معلوم کی جا سکے وہاں اپنے ظن غالب پر عمل ضروری ہے اسی طرح اگر کسی شخص پر کسی چیز کا ضمان دینا واجب ہو تو اس ضائع شدہ چیز کی قیمت میں ظن غالب پر ہی عمل کرنا واجب ہے۔

اور ظن مباح ایسا ہے جیسے نماز کی رکعتوں میں شک ہو جائے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو اپنے ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر وہ ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے یعنی رکعت قرار دے کہ چوتھی پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔

اور ظن مستحب و مندوب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھے کہ اس پر ثواب ملتا ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۲) (معارف القرآن ۱۱۹ تا ۱۲۰ ج ۸)

مسئلہ : ہر مسلمان مرد و عورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیل شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اس پر الزام لگاتا ہے اس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلاوجہ رسوا کرنا ہے۔ (مظہری)

لفظ ظن کے معانی

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لیے بولا جاتا ہے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ بے بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے آیت میں بھی یہی مراد ہے اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا اسی کے ازالہ کے لیے یہ فرمایا گیا ہے۔ دوسرے معنی ظن کے وہ ہیں۔ جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں۔ یقین کہا جاتا ہے اس علم قطعی مطابق الواقع کو جس میں کسی شک و شبہ کی راہ نہ ہو جیسے قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے حاصل شدہ علم' اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد خیالات تو نہیں۔ دلیل کی بنیاد پر قائم ہے مگر یہ دلیل اس درجہ قطعی نہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہ رہے جیسے عام روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام'

اس لیے قسم اول کے مسائل کو قطعیات اور یقینیات کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو ظنیات اور یہ ظن شریعت میں معتبر ہے قرآن و حدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں اور تمام امت کے نزدیک واجب العمل ہے آیت مذکورہ میں ظن کو جو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد و بے دلیل خیالات ہیں اس لیے کوئی اشکال نہیں۔

(معارف القرآن ج ۸ ص ۲۰۸، ۲۰۹) (سورۂ نجم آیت ۲۸)

غیبت کے احکام

مسئلہ: بچے اور مجنون اور کافر ذمی کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کی ایذا بھی حرام ہے اور جو کافر حربی ہیں اگرچہ ان کی ایذاء حرام نہیں مگر اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے پھر بھی غیبت مکروہ ہے۔

مسئلہ: غیبت جیسے قول اور کلام سے ہوتی ہے۔ ایسے ہی فعل یا اشارہ سے بھی ہوتی ہے جیسے کسی لنگڑے کی چال بنا کر چلنا جس سے اسکی تحقیر ہو۔

مسئلہ: بعض روایات سے ثابت ہے کہ آیت میں جو غیبت کی عام حرمت کا حکم ہے یہ مخصوص البعض ہے یعنی بعض صورتوں میں اس کی اجازت ہو گئی ہے مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ ضرورت و مصلحت شرعاً معتبر ہو۔ جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے۔ یا کسی کی اولاد کی بدی کی شکایت اس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو ان کی اصلاح کر سکے یا کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لیے صورت واقعہ کا اظہار یا مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لیے کسی کا حال بتانا' یا کسی معاملے میں مشورہ کے متعلق اس کا حال ذکر کرنا' یا جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے اس کے اعمال بد کا ذکر بھی غیبت

ـــــ قولہ تعالیٰ وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا

میں داخل نہیں۔ مگر بلا ضرورت اپنے اوقات ضائع کرنے کی بناء پر مکروہ ہے (یہ سب مسائل بیان القرآن میں بحوالہ روح المعانی بیان کئے گئے ہیں) اور ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کی برائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت و مجبوری سے ذکر کیا گیا ہو۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۲) (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۲۳)

کفّارہ مجلس

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اچھی بری باتیں ہوں تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اگر وہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب خطاؤں کو جو اس مجلس میں ہوتی ہیں معاف فرمادیں گے وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ (رواہ الترمذی) (سورہ طور آیت ۴۸) (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۸۷)

مجلس کے آداب

مسئلہ: مجلس کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے داخل نہ ہو کہ بعض اوقات دونوں کے یکجا بیٹھنے میں ان کی کوئی خاص مصلحت ہوتی ہے حضرت اسامہ بن زید لیثیؓ کی روایت ابوداؤد و ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا۔ یعنی کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ دو شخص جو ملے بیٹھے ہوں اُن کے درمیان تفریق پیدا کرے جب تک کہ ان ہی سے اجازت نہ ملے۔

(سورہ مجادلۃ آیت نمبر ۱۱) (معارف القرآن ص ۳۴۷ ج ۸)

○☆○

بری مجلس سے اٹھنے کا حکم

مسلمانوں کو ہر ایسی مجلس سے کنارہ کشی۔ اختیار کرنی چاہئے جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا خلاف شریعت اسلام باتیں ہو رہی ہوں اور اس کو بند کرنا یا کرانا یا کم از کم حق بات کا اظہار کرنا اس کے قبضہ واختیار میں نہ ہو۔ ہاں اگر ایسی مجلس میں شریک ہو اور ان لوگوں کو حق بات کی تلقین کرے تو مضائقہ نہیں۔

(سورہ انعام آیت ۶۹)(معارف القرآن ج ۳ ص ۳۷۱۔ ۳۷۲)

بروں کی صحبت سے تنہائی بھلی

اھل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں۔

اول:۔ ان کے کفریات پر رضا کے ساتھ، یہ کفر ہے۔

دوم:۔ اظہار کفریات کے وقت کراہیت کے ساتھ یہ بلا عذر فسق ہے۔

سوم:۔ کسی ضرورت دنیوی کے ساتھ یہ مباح ہے۔

چہارم:۔ تبلیغ احکام کے لیے یہ عبادت ہے۔

پنجم:۔ اضطرار و بے اختیاری کے ساتھ اس میں معذور ہے امام ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ جس مجلس میں کوئی گناہ ہو رہا ہو تو مسلمان پر نہی عن المنکر کے ضابطہ سے یہ لازم ہے کہ اگر اس کو روکنے کی قوت ہے تو قوت کے ساتھ روک دے۔ اور یہ قدرت نہیں ہے تو کم از کم اس گناہ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس مجلس سے اٹھ جائے۔

اسی طرح تفسیر بالرائے کرنے والے کی مجلس میں شرکت جائز نہیں۔ بلکہ گناہ ہے۔ تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے فرمایا کہ جس بات کا زبان سے کہنا گناہ ہے۔ اس کا

؎ اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہاں سے اٹھ جائیں اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان، مال یا آبرو کا خطرہ ہو تو کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں اور ان کی طرف التفات نہ کریں۔

کانوں سے باختیار خود سننا بھی گناہ ہے۔
(سورۂ نساء آیت ۱۴۰)(معارف القرآن ص ۵۸۱،۵۸۵،۵۸۶)

فحش اور فضول ناول نہ دیکھنے کا حکم اور اہل باطل کی کتابیں دیکھنا بھی ناجائز ہیں

اس زمانے میں بیشتر نوجوان فحش ناول یا جرائم پیشہ لوگوں کے حالات پر مشتمل قصے یا فحش اشعار دیکھنے کے عادی ہیں۔ یہ سب چیزیں اسی قسم کے حرام میں داخل ہیں۔ اسی طرح گمراہ اہل باطل کے خیالات کا مطالعہ بھی عوام کے لیے گمراہی کا سبب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ راسخ العلم علماء ان کے جواب کے لیے دیکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (سورہ لقمٰن آیت ۶)(معارف القرآن ص ۲۳ ج ۷)

ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا تکرار مامور بہ اور عبادت ہے

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اس میں اشارہ اس طرح نکلتا ہے کہ اسم رب یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مطلوب و مامور بہ ہے۔ (مظہری)
بعض علماء نے جو صرف اسم ذات اللہ اللہ کے تکرار کو بدعت کہہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم
(سورۃ المزمل آیت ۱۸)(معارف القرآن ص ۵۹۴ ج ۸)

انشاء اللہ کہنے کا حکم

آئندہ کسی کام کے کرنے کو کہنا ہو تو انشاء اللہ کہہ کر اس کا اقرار کر لیا کریں کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت پر موقوف ہے اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ انشاء اللہ

کہنا مستحب ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگر بھولے سے یہ کلمہ کہنے سے رہ جائے تو جب یاد آئے اسی وقت کہہ لے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاملات بیع و شرا اور معاہدات میں جہاں شرطیں لگائی جاتی ہیں اور شرط لگانا طرفین کے لیے معاہدہ کا مدار ہوتا ہے۔ وہاں بھی اگر معاہدے کے وقت شرط لگانا بھول جائے تو پھر جب کبھی یاد آئے شرط لگالے۔ اس مسئلہ : میں بعض فقہاء کا اختلاف بھی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے

(سورہ کہف آیت ۲۴)(معارف القرآن ص ۵۷ ج ۵)

اکابر علمائے دین کا ادب

مسئلہ : جس طرح تقدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت میں علمائے دین بحیثیت وارث انبیاء ہونے کے داخل ہیں اسی طرح رفع صوت کا بھی یہی حکم ہے کہ اکابر علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے ان کی آواز دب جائے۔

(سورۃ الحجرات آیت ۲۔ معارف القرآن ص ۱۰۱ ج ۸)

سفر کا ایک ادب

یہ بھی حسن ادب ہے کہ سفر کی ضروری باتوں سے اپنے رفیق اور خادم کو بھی باخبر کر دینا چاہیے "متکبر لوگ اپنے خادموں اور نوکروں کو نہ قابل خطاب سمجھتے ہیں نہ سفر کے متعلق کچھ بتاتے ہیں۔ (سورۂ کہف آیت ۶۰) معارف القرآن ج ۵ ص ۵۹۷

کسی ولی کو ظاہر شریعت کے حکم کے خلاف ورزی حلال نہیں

بہت سے جاہل غلط کار تصوف کو بدنام کرنے والے کہتے ہیں کہ شریعت اور چیز

ہے طریقت اور چیز ہے۔ بہت سی چیزیں شریعت میں حرام ہوتی ہیں۔ مگر طریقت میں جائز ہیں اس لیے کسی ولی کو صریح گناہ کبیرہ میں مبتلا دیکھ کر بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کھلا ہوا زندقہ اور باطل ہے (سورہ کہف آیت ۶۵) معارف القرآن ص ۶۰۰ ج ۵)

توریہ کا شرعی حکم

مسئلہ : ضرورت کے مواقع پر توریہ کرنا جائز ہے۔ توریہ ایک تو قولی ہوتا ہے۔ یعنی ایسی بات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلاف واقعہ ہو۔ اور باطنی مراد مطابق واقعہ' اور ایک توریہ عملی ہوتا ہے۔ یعنی ایسا عمل کرنا جس کا مقصد دیکھنے والا کچھ سمجھے اور در حقیقت اس کا مقصد کچھ اور ہو۔ اسے ایہام بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا (اکثر مفسرین کے قول کے مطابق) ایہام تھا۔ اور اپنے آپ کو بیمار کہنا توریہ۔ ضرورت کے مواقع پر توریہ کی یہ دونوں قسمیں خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ جس وقت آپؐ ہجرت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ اور مشرکین آپؐ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ تو راستے میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا کہ "یہ کون ہیں؟"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا۔ "هُوَ هَادٍ يَهْدِيْنِيْ" (وہ میرے راہنما ہیں مجھے راستہ دکھاتے ہیں) سننے والا یہ سمجھا کہ عام راستہ بتانے والا راہنما مراد ہیں۔ اس لیے چھوڑ کر چل دیا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ دینی اور روحانی راہنما ہیں (روح المعانی)

اسی طرح حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کے لیے جس سمت میں جانا ہوتا مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت اس سمت میں روانہ ہونے کے بجائے کسی دوسری سمت میں چلنا شروع فرماتے تھے۔ تاکہ دیکھنے والوں کو صحیح منزل معلوم نہ ہو سکے۔ (صحیح مسلم وغیرہ)

یہ عمل توریہ اور ایہام تھا۔ مزاح اور خوش طبعی کے مواقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توریہ ثابت ہے۔ شمائل ترمذیؒ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایک بوڑھی عورت سے مزاحاً فرمایا "کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔" وہ عورت یہ سن کر بہت پریشان ہوئی تو آپ نے تشریح فرمائی کہ بوڑھیوں کے جنت میں نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے کی حالات میں جنت میں نہ جائیں گی ہاں جوان ہو کر جائیں گی۔ (سورہ صٰفّٰت آیت ۸۵ تا ۹۸) (معارف القرآن ج ۷ ص ۴۵۴)

خواب ہر شخص سے بیان کرنا درست نہیں

مسئلہ : حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے منع فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواب ایسے شخص کے سامنے بیان نہ کرنا چاہئے جو اس کا خیر خواہ اور ہمدرد نہ ہو اور نہ ایسے کے سامنے جو تعبیر خواب میں ماہر نہ ہو۔

جامع ترمذی میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچا خواب نبوت کے چالیس اجزا میں سے ایک جز ہے۔ اور خواب معلّق رہتا ہے۔ جب تک کسی سے بیان نہ کیا جائے۔ جب بیان کر دیا گیا اور سننے والے نے کوئی تعبیر دیدی تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جاتا ہے۔ اس لیے چاہئے کہ خواب کسی سے بیان نہ کرے۔ بجز اس شخص کے کہ جو عالم و عاقل ہو یا کم از کم اس کا دوست اور خیر خواہ ہو۔

نیز ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک اللہ کی طرف سے بشارت، دوسرے نفسانی خیالات، تیسرے شیطانی تصورات اس لیے جو شخص کوئی خواب دیکھے اور اسے بھلا معلوم ہو تو اس کو اگر چاہے لوگوں سے بیان کر دے اور اگر اس میں کوئی بری بات نظر آئے تو کسی سے نہ کہے بلکہ اٹھ کر نماز پڑھ لے اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ برا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین مرتبہ پھونک دے اور اللہ سے اس کی برائی سے پناہ مانگے۔ اور کسی سے ذکر نہ کرے۔ تو یہ خواب اس کو کوئی نقصان نہ دے گا۔ وجہ یہ ہے کہ بعض خواب تو شیطانی تصورات ہوتے ہیں وہ اس عمل سے دفع ہو جائیں گے اور اگر سچا خواب ہے تو عمل کے ذریعہ اس کی برائی دور ہو جانے کی بھی امید ہے۔

مسئلہ : جس خواب میں کوئی بات تکلیف و مصیبت کی نظر آئے وہ کسی سے بیان نہ کرے روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت محض شفقت اور ہمدردی کی بناء پر ہے۔ شرعی حرام نہیں' اس لیے اگر کسی سے بیان کردے تو کوئی گناہ نہیں' کیونکہ احادیث میں ہے کہ غزوۂ احد کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی اور دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہو رہی ہیں' جس کی تعبیر حضرت حمزہؓ کی شہادت اور بہت سے مسلمانوں کی شہادت تھی جو بڑا حادثہ ہے۔ مگر آپؐ نے اس خواب کو صحابہ سے بیان فرما دیا تھا۔ (قرطبی)

شر سے بچانے کے لیے کسی کی بری خصلت بیان کر دینا غیبت میں داخل نہیں

مسئلہ : مسلمان کو دوسرے کے شر سے بچانے کے لیے اس کی کسی بری خصلت یا نیت کا اظہار کر دینا جائز ہے۔ یہ غیبت میں داخل نہیں مثلاً کسی شخص کو معلوم ہو جائے کہ فلاں آدمی کسی دوسرے آدمی کے گھر میں چوری کرنے یا اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ تو اس کو چاہئے کہ اس شخص کو باخبر کر دے' یہ غیبت حرام میں داخل نہیں' جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے اس کا اظہار کر دیا کہ بھائیوں سے ان کی جان کا خطرہ ہے۔

مسئلہ : جس شخص کے متعلق یہ احتمال ہو کہ ہماری خوش حالی اور نعمت کا ذکر کرنے گا۔ تو اس کو حسد ہو گا۔ اور نقصان پہونچانے کی فکر کرے گا۔ اس کے سامنے اپنی نعمت' دولت و عزت وغیرہ کا ذکر نہ کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لیے ان کو راز میں رکھنے سے مدد حاصل کرو۔ کیونکہ دنیا میں ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔

○☆○

تعبیر کا فوری ظہور لازمی نہیں

مسئلہ : تفسیر قرطبی میں ہے کہ شداد بن الهاد نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے اس خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا کوئی ضروری نہیں۔ (سورۂ یوسف آیت ۵) معارف القرآن حصہ پنجم ص ۱۰ تا ۱۴

لعنت کے احکام

مسئلہ : کسی معین شخص کے بارے میں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے۔ اس پر لعنت جائز نہیں اگرچہ وہ فاسق ہی ہو۔ اسی اصول کی بناء پر یزید پر لعنت کرنے سے علامہ شامی نے منع کیا ہے۔ لیکن معین کافر پر جس کی موت کفر پر ہونے پر یقین ہو مثلاً ابو جہل۔ ابولہب پر جائز ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۸۳۶)

مسئلہ : کسی کا نام لیے بغیر اس طرح لعنت کرنا جائز ہے کہ ظالموں پر یا جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

مسئلہ : لغۃً لعنت کے معنی اللہ کی رحمت سے دور ہونے کے ہوتے ہیں۔ شرعاً کفار کے حق میں اس کے معنی اللہ کی رحمت سے بعید ہونے کے ہیں۔ اور مومنین کے حق میں ابرار (صلحاء) کے درجہ سے نیچے گرنے کے ہیں۔ (نقلہ الشامی عن القہستانی، ج ۲ ص ۸۳۶) اس لیے کسی مسلمان کے لیے اس کے نیک عمل کم ہو جانے کی دعاء بھی جائز نہیں۔ (معارف القرآن حصہ دوم ص ۴۳۷)

مسئلہ : لعنت کا معاملہ اتنا شدید ہے کہ کسی کافر پر بھی اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اس کا یقین نہ ہو جائے کہ اس کی موت کفر ہی پر ہوگی۔ تو کسی مسلمان پر یا کسی جانور پر لعنت کیسے جائز ہو سکتی ہے اور عوام اس سے بالکل غفلت میں ہیں۔ خصوصاً عورتیں کہ بات بات پر لعنت کے الفاظ اپنے متعلقین کے متعلق استعمال کرتی ہیں اور

لعنت صرف لفظ لعنت ہی کے کہنے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے ہم معنی جو الفاظ ہیں وہ بھی لعنت ہی کے حکم میں ہیں۔ لعنت کے اصل معنی خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کے ہیں اس لیے مردود' راندۂ درگاہ' اللہ مار' وغیرہ کے الفاظ کہنا بھی لعنت ہی کے حکم میں ہیں۔ (البقرہ آیت ۱۶۱) (معارف القرآن ص ۴۰۵ ج ۱)

باب

احکام التعویذات

سحر کے مسائل شرعیہ

مسئلہ : جس سحر کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سحر کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں۔ تو اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے اور اس پر عمل کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ اگر مسلمانوں سے دفع ضرر کے لیے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔ (شامی۔ عالمگیری)

مسئلہ : تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں۔ ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے استمداد ہو تو بحکم سحر ہیں۔ اور حرام ہیں۔ اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں۔ معنی معلوم نہ ہوں۔ اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

مسئلہ : قرآن و سنت کے اصطلاحی سحر بابل کے علاوہ باقی قسمیں سحر کی ان میں بھی اگر کفر و شرک کا ارتکاب کیا جائے تو وہ بھی حرام ہیں۔

مسئلہ : اور خالی مباح اور جائز امور سے کام لیا جاتا ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

مسئلہ : اگر قرآن و حدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے۔ مگر ناجائز مقصد کے لیے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لیے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے۔ اگرچہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو وہ بھی حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان و شامی)

(البقرہ آیت ۱۰۲) ص ۲۷۹ تا ۲۸۰ جلد اول۔ معارف القرآن

تسخیر جنّات

مسئلہ : عام طور سے تسخیر جنّات کا عمل کرنے والے عاملین کلمات کفریہ شیطانیہ سے اور سحر سے کام لیتے ہیں۔ جن کو کافر جنّات و شیاطین پسند کرتے ہیں اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شرکیہ سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں اور اسی لیے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں۔ جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر اس کے کام کر دیتے ہیں۔ البتہ ایک شخص ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانے میں تھا۔ جنّات کو اس نے اسماء الٰہیہ کے ذریعہ سے مسخر کیا تھا۔ اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی۔ (آکام المرجان، ص ۱۰۰) خلاصہ یہ ہے کہ جنّات کی تسخیر اگر کسی کے لیے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام اور بعض صحابہ کرام کے متعلق ثابت ہے۔ تو وہ معجزہ یا کرامت میں داخل ہے اور جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ اس میں اگر کلمات کفریہ یا اعمال کفریہ ہوں تو کفر، اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے۔ اور جن عملیات میں ایسے کلمات استعمال کئے جائیں جن کے معنی معلوم نہیں ان کو بھی فقہاء نے اس بناء پر ناجائز کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں۔ قاضی بدر الدینؒ نے ''آکام المرجان'' میں ایسے نامعلوم المعنی کلمات کے استعمال کو بھی ناجائز لکھا ہے۔ اور اگر یہ عمل تسخیر اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعہ ہو اور اس میں نجاست وغیرہ کے استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنّات کی ایذاء سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو۔ یعنی دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس کو کسب مال کا پیشہ بنایا گیا۔ تو اس لیے جائز نہیں کہ اس میں استرقاق حر یعنی آزاد کو اپنا غلام بنانا اور بلا حق شرعی اس سے بیگار لینا ہے۔ جو حرام ہے۔

واللہ اعلم (سورۂ سبا آیت ۱۴) معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۶۷

باب

مسائل صلوٰۃ

بیرونی دنیا کے لیے نماز میں بیت اللہ کی سمت کا استقبال کافی ہے

بلادبعیدہ کے رہنے والوں کے لیے یہ ضروری نہیں کہ عین بیت اللہ کی محاذات پائی جائے بلکہ سمت بیت اللہ کی طرف رخ کرلینا کافی ہے ہاں جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے یا کسی قریبی پہاڑ پر بیت اللہ کو دیکھ رہا ہے اس کے لیے خاص بیت اللہ ہی کی طرف رخ کرنا ضروری ہے اگر بیت اللہ کی کوئی چیز بھی اس کے محاذات میں نہ آئی تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۴۴) (معارف القرآن ص ۳۶۳ ج ۱)

نماز میں ستر پوشی شرط ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی

جس طرح ننگے طواف کو منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح ننگے نماز پڑھنا بھی حرام اور باطل ہے۔ کیونکہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلطَّوَافُ

بِالْبَيْتِ صَلٰوةٌ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نے اس کو اور بھی واضح کردیا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کسی بالغ عورت کی نماز بغیر دوپٹے کے جائز نہیں (ترمذی)

نماز میں لباس سے متعلق چند مسائل

ستر جس کا چھپانا انسان پر ہر حال میں اور خصوصاً نماز و طواف میں فرض ہے۔ اس کی حد کیا ہے؟ قرآن کریم نے اجمالاً ستر پوشی کا حکم دے کر اس کی تفصیلات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک اور عورت کا ستر سارا بدن صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور قدم مستثنیٰ ہیں۔ روایات حدیث میں یہ سب تفصیل مذکور ہے۔ مرد کے لیے ناف سے نیچے کا بدن یا گھٹنے کھلے ہوں تو ایسا لباس خود بھی گناہ ہے۔ اور نماز بھی اس میں ادا نہیں ہوتی۔ اسی طرح عورت کا سر گردن یا بازو یا پنڈلی کھلی ہو تو ایسے لباس میں رہنا خود بھی ناجائز ہے اور نماز بھی ادا نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس مکان میں عورت ننگے سر ہو وہاں نیکی کے فرشتے نہیں آتے' عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں اور قدم جو ستر سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے اس کے یہ معنی ہیں کہ نماز میں اس کے یہ اعضاء کھلے ہوں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غیر محرموں کے سامنے بھی وہ بغیر شرعی عذر کے چہرہ کھول کر پھرا کرے یہ حکم تو فریضہ ستر کے متعلق ہے۔ جس کے بغیر نماز ہی ادا نہیں ہوتی۔ اور چونکہ نماز میں صرف ستر پوشی ہی مطلوب نہیں' بلکہ لباس زینت اختیار کرنے کا ارشاد ہے۔ اس لیے مرد کا ننگے سر نماز پڑھنا یا مونڈھے یا کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ خواہ قمیص ہی نیم آستین ہو یا آستین چڑھائی گئی ہو بہرحال نماز مکروہ ہے۔ اسی طرح ایسے لباس میں بھی نماز مکروہ ہے۔ جس کو پہن کر آدمی اپنے دوستوں اور عوام کے سامنے جانا قابل شرم و عار سمجھے' جیسے صرف بنیان بغیر کرتے کے' اگرچہ پوری آستین بھی ہو۔ یا سر پر بجائے ٹوپی کے کوئی کپڑا یا چھوٹا دستی رومال باندھ لینا کہ کوئی سمجھ دار آدمی اپنے دوستوں یا مردوں کے سامنے اس ہیئت

میں جانا پسند نہیں کرتا۔ تو اللہ رب العالمین کے دربار میں جانا کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے۔ سر مونڈھے کہنیاں کھول کر نماز کا مکروہ ہونا آیت قرآنی کے لفظ زینت سے بھی مستفاد ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات سے بھی نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا باجماع امت ناجائز ہے۔

مسئلہ : اسی وجہ سے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں فرض تلاوت کی جگہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کسی زبان فارسی۔ اردو۔ انگریزی میں پڑھ لینا بدون اضطرار کے کافی نہیں۔ بعض ائمہ سے جو اس میں توسّع کا قول منقول ہے۔ ان سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

قرآن کے اردو، ترجمہ کو اردو قرآن کہنا جائز نہیں

مسئلہ : اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں۔ جیسے آج کل بہت سے لوگ صرف اردو ترجمہ قرآن کو اردو کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ ناجائز اور بے ادبی ہے۔ قرآن کو بغیر متن عربی کے کسی دوسری زبان میں بنام قرآن شائع کرنا اور اس کی خرید و فروخت کرنا سب ناجائز ہے

معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۵۴

مسئلہ : جس طرح نشہ کی حالت میں نماز حرام ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب نیند کا غلبہ ایسا ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

اذا نعس احدکم فی الصلوٰۃ فلینم حتی یذھب عنہ النوم فانہ لا یدری لعلہ یستغفر فیسب نفسہ (قرطبی)

اگر تم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آنے لگے تو اسے کچھ دیر کے لیے سو جانا چاہئے تاکہ نیند کا اثر چلا جائے ورنہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہیں سکے گا۔ اور بجائے دعا و استغفار کے اپنے آپ کو گالی دینے لگ جائے گا۔ (سورہ نساء آیت ۴۳)

(معارف القرآن حصہ دوم ص ۴۲۳)

سجدۂ تلاوت کے بعض مسائل

رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے

مسئلہ : اگر نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی ہے۔ تو رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں باری تعالیٰ نے سجدہ کے لیے رکوع کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع بھی سجدہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں چند ضروری مسائل یاد رکھنے چاہئیں۔

مسئلہ : نماز کے فرض رکوع کے ذریعہ سجدہ صرف اس صورت میں ادا ہو سکتا ہے جب کہ سجدے کی آیت نماز میں پڑھی گئی ہو۔ نماز سے باہر تلاوت کرنے میں رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ رکوع صرف نماز میں عبادت ہے نماز سے باہر مشروع نہیں۔ (بدائع)

مسئلہ : رکوع میں سجدہ صرف اس وقت ادا ہو گا جب کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ دو تین آیتیں مزید تلاوت کر کے رکوع کر لیا ہو' اور اگر آیت سجدہ کے بعد کھڑے کھڑے طویل قرأت کی ہو۔ تو سجدہ رکوع میں ادا نہ ہو گا۔

مسئلہ : اگر سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنے کا خیال ہو تو رکوع میں جاتے وقت سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینی چاہئے ورنہ اس رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہو گا۔ ہاں جب سجدہ میں جانے لگا تو بلا نیت بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ : افضل بہر حال یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کی نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کے بجائے مستقل سجدہ کیا جائے۔ اور سجدہ سے اٹھ کر ایک دو آیتیں تلاوت کر کے پھر رکوع میں جائیں (بدائع) (سورۃ ص آیت ۲۵) معارف القرآن حصہ ص ۵۰۶

○☆○

سفر اور قصر کے احکام

مسئلہ: جو سفر تین منزل[1] سے کم ہو اس سفر میں نماز پوری پڑھی جاتی ہے۔

مسئلہ: اور جب سفر ختم کر کے منزل پر جا پہنچے تو اگر وہاں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تب تو وہ حکم سفر میں ہے، فرض نماز چار گانہ آدھی پڑھی جاتی ہے۔ اور اس کو قصر کہتے ہیں۔ اور اگر پندرہ روز یا زیادہ کا رہنے کا ایک ہی بستی میں ارادہ ہو تو وہ وطن اقامت ہو جائے گا۔ وہاں بھی وطن اصلی کی طرح قصر نہیں ہوگا۔ بلکہ نماز پوری پڑھی جائے گی۔

مسئلہ: قصر صرف تین وقت کے فرائض میں ہے اور مغرب اور فجر میں اور سنن و وتر میں نہیں ہے۔

مسئلہ: سفر میں خوف نہ ہو تو بھی قصر نماز پڑھی جائے گی۔

مسئلہ: بعض لوگوں کو پوری نماز کی جگہ قصر پڑھنے میں دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ قصر بھی شریعت کا حکم ہے۔ جس کی تعمیل پر گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں ہے کہ "(جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں)" اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب صلوٰۃ خوف کا حکم باقی نہیں رہا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اب ہم میں موجود نہیں۔ اس لیے کہ یہ شرط اس وقت کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے کیونکہ نبی کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی بلا عذر کے امام نہیں بن سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب جو امام ہو وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہے۔ اور وہی صلوٰۃ خوف پڑھائے گا۔ تمام ائمہ کے نزدیک صلوٰۃ خوف کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جاری ہے۔ منسوخ نہیں ہوا۔

---

[1] تین منزل کی مقدار موجودہ پیمانوں کے حساب سے۔ اڑتالیس میل بنتی ہے

مسئلہ : جیسے آدمی سے خوف کے وقت صلوٰۃ خوف پڑھنا جائز ہے۔ ایسے ہی اگر کسی شیر یا اژدھا وغیرہ کا خوف ہو اور نماز کا وقت تنگ ہو اس وقت بھی جائز ہے۔

مسئلہ : دونوں گروہ کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا تو ذکر آیت میں فرمایا دوسری رکعت کا طریقہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو دونوں گروہ نے اپنی ایک ایک رکعت بطور خود پڑھ لی۔

مزید تفصیل احادیث میں ہے۔ (سورہ نساء آیت ۱۰۱ تا ۱۰۴) معارف القرآن حصہ دوم ص ۵۳۲ تا ۵۳۳

مسافر کے متعلق مزید احکام

مسئلہ : کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق مقامات شہروں اور بستیوں میں کرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصتِ سفر کا مستحق رہے گا۔

مسئلہ : مسافر اسی وقت تک رخصت سفر کا مستحق ہے جب تک اس کے سفر کا سلسلہ جاری رہے اور یہ ظاہر ہے کہ آرام کرنے یا کچھ دیر کام کرنے کے لیے کسی جگہ ٹھہرنا مطلقاً اس کے سفر کو ختم نہیں کر دیتا۔ جب تک معتدبہ مقدار قیام نہ ہو اور ایسی معتدبہ قیام کی مدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ثابت ہوئی کہ پندرہ دن ہیں جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ عَلٰی سَفَرٍ نہیں کہلاتا۔ اس لیے وہ رخصت سفر کا بھی مستحق نہیں۔

مسئلہ : عَلٰی سَفَرٍ سے مراد وہ سفر پر سوار ہو۔ جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گھر سے دس پانچ میل چلا جانا مراد نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہؓ کے تعامل سے 'امام اعظم ابو حنیفہؒ' اور بہت سے فقہاء نے اس کی مقدار تین منزل یعنی وہ مسافت جس کو پیادہ سفر کرنے والا بآسانی تین روز میں طے کر سکے قرار دی ہے۔ اور بعد کے فقہاء نے میلوں سے اڑتالیس میل لکھے ہیں۔ (البقرۃ آیت ۱۸۴) معارف القرآن ص ۴۴۳ ج ۱

خطبہ کے آداب

مسئلہ : خطبہ کے آداب میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود و سلام سے شروع ہونا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے۔ بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام مسنون و مستحب ہے۔

(کذافی الروح)(سورۃ النمل آیت ۵۹) معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۵۳

ازان جمعہ کے بعد جمعہ کی تیاری کے علاوہ سب کام ممنوع ہیں

ازان جمعہ کے بعد سارے ہی مشاغل کا منع کرنا مقصود تھا۔ جن میں زراعت، تجارت، مزدوری سبھی داخل ہیں۔ مگر قرآن کریم نے صرف بیع کا ذکر فرمایا اس سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے مخاطب شہروں اور قصبوں والے ہیں، چھوٹے دیہات اور جنگلوں میں جمعہ نہیں ہو گا۔ اس لیے شہروں اور قصبوں میں جو مشاغل عام لوگوں کو پیش آتے ہیں ان کی ممانعت فرمائی گئی وہ بیع و شراء کے ہوتے ہیں بخلاف گاؤں والوں کے کہ ان کے مشاغل کاشت اور زمین سے متعلق ہوتے ہیں۔

اور باتفاق امت یہاں بیع سے مراد فروخت کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے اس لیے ازان جمعہ کے بعد کھانا، پینا، سونا کسی سے بات کرنا، یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہے۔ صرف جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جا سکتے ہیں پہلی ازان جمعہ کے بعد بیع و شراء تمام اشغال حرام ہیں۔ (ص ۴۴۱ ج ۸)

ایک عبادت کے وقت دوسری عبادت میں مشغول ہونا غلطی ہے

مسئلہ : ایک عبادت کے وقت کو کسی دوسری عبادت میں بھی صرف نہ کرنا چاہئے ظاہر ہے کہ جہاد کے گھوڑوں کا معائنہ ایک عظیم عبادت تھی۔ لیکن چونکہ وہ وقت اس عبادت کے بجائے نماز کا تھا۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بھی غلطی میں شمار کر کے اس کا تدارک فرمایا۔ اس لیے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد جس طرح خرید و فروخت میں مشغولیت جائز نہیں اسی طرح نماز جمعہ کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا بھی درست نہیں۔ خواہ تلاوت قرآن و نفل پڑھنے کی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔

(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۵۱۵)

جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے ادا نہیں ہو سکتی

جمعہ عورتوں، مریضوں اور مسافروں پر فرض نہیں وہ جمعہ کی جگہ نماز ظہر پڑھیں اور یہی حکم بستی کے لوگوں کا ہے۔(سورۃ جمعہ آیت ۹ تا ۱۱) معارف القرآن ص ۴۴۳ ج ۸

مقام ادب میں جوتے اتار دینا ادب کا مقتضا ہے

جوتے اگر پاک ہوں تو ان میں نماز درست ہو جانے پر سب فقہاء کا اتفاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے پاک جوتے پہن کر نماز پڑھنا صحیح روایات سے ثابت بھی ہے۔ مگر عام عادت و سنت یہی معلوم ہوتی ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جاتی تھی کہ وہ اقرب الی التواضع ہے۔

(سورہ طہٰ آیت ۱۱) معارف القرآن حصہ ششم ص ۷۰

نماز تہجد نفل ہے یا سنت مؤکدہ

مسئلہ: سنت مؤکدہ کے لیے جو عام ضابطہ فقہاء کا ہے کہ جس کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً مداومت فرمائی ہو اور بلا مجبوری کے نہ چھوڑا ہو وہ سنت مؤکدہ ہے۔ بجز اس کے کہ کسی دلیل شرعی سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا عام امت کے لیے نہیں تھا اس ضابطہ کا تقاضا بظاہر یہی ہے کہ نماز تہجد بھی سب کے لیے سنت مؤکدہ قرار پائے نہ کہ صرف نفل کیونکہ اس نماز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت سنت متواترہ سے ثابت ہے۔ اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں اس لیے عام امت کے لیے بھی سنت مؤکدہ ہونا چاہئے تفسیر مظہری میں اس کو مختار اور راجح قرار دیا ہے اور اس کے مؤکد ہونے پر حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو پہلے تہجد پڑھتا تھا پھر چھوڑ دیا یہ ارشاد فرمایا کہ "اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے" اس کی وعید اور تنبیہ صرف نفل میں نہیں ہو سکتی اس سے معلوم ہوا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔

اور جن حضرات نے تہجد کو صرف نفل قرار دیا ہے۔ وہ اس مواظبت اور مداومت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیتے ہیں اور تہجد پڑھنے والے کے ترک تہجد پر جو زجر کے الفاظ ارشاد فرمائے وہ دراصل مطلقاً ترک پر نہیں بلکہ اول عادت ڈالنے کے بعد ترک کرنے پر ہیں کیونکہ آدمی جس نفل کی عادت ڈال لے باتفاق امت اس کو چاہئے کہ اس پر مداومت کرے اگر عادت ڈالنے کے بعد چھوڑے گا۔ تو قابل ملامت ہوگا۔ کیونکہ عادت کے بعد بلا عذر ترک ایک قسم کے اعراض کی علامت ہے۔ اور جو شروع سے عادی نہ ہو تو اس پر کوئی ملامت نہیں۔ واللہ اعلم

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۹) معارف القرآن ج پنجم ص ۵۰۵ تا ۵۰۶

نماز تہجد کے احکام و مسائل

لفظ تہجد ہجود سے مشتق ہے۔ اس کے معنے سونے کے بھی آتے ہیں اور جاگنے بیدار ہونے کے بھی۔ اصطلاح شرع میں نماز تہجد اس نماز کو کہا جاتا ہے جو کچھ دیر سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جائے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ لفظ تہجد جس طرح کچھ دیر سونے کے بعد جاگ کر پھر نماز پڑھنے پر صادق آتا ہے۔ اسی طرح سے شروع میں نیند کو مؤخر کر کے نماز پڑھنے پر بھی صادق آتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا "تہجد ہر اس نماز پر صادق ہے جو عشاء کے بعد پڑھی جائے" البتہ تعامل کی وجہ سے اس کو کچھ نیند کے بعد محمول کیا جائے گا۔

عموماً تعامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی رہا کہ یہ نماز آخر رات میں بیدار ہو کر پڑتے تھے۔ اس کی افضل صورت یہی ہو گی۔

نماز تہجد نفل ہے یا سنت مؤکدہ۔ اس نماز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت سنت متواترہ سے ثابت ہے اس لیے عام امت کے لیے بھی سنت مؤکدہ ہونا چاہئے۔ تفسیر مظہری میں اسی کو مختار اور راجح قرار دیا ہے۔

اور جن حضرت نے تہجد کو صرف نفل قرار دیا ہے وہ اس مواظبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیتے ہیں۔

بہرحال باتفاق امت آدمی جس نفل کی عادت ڈال لے اس پر مداومت کرے اگر عادت ڈالنے کے بعد چھوڑے گا تو قابل ملامت ہو گی کیونکہ بلا عذر ترک ایک قسم کے اعتراض کی علامت ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۹)

مزید تفصیل کے لیے تفسیر معارف القرآن جلد پنجم ص ۵۰۳ تا ۵۰۷ ملاحظہ فرمایئے۔

آلۂ مکبر الصوت پر نماز پڑھانے کا جواز

اہل فن لاؤڈ سپیکر کی آواز کو عین آواز امام کہتے ہیں ان کی تحقیق پر کوئی اشکال جواز صلوٰۃ میں نہیں ہے اس مسئلہ کی تحقیق پر احقر کا ایک مستقل رسالہ بھی شائع شدہ

ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۴۴)
مزید تفصیل معارف القرآن ج ۱ ص ۳۷۷ تا ۳۷۹ میں ملاحظہ فرمایئے۔

دعا کے متعلق چند مسائل

مسئلہ : کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا مانگنا حرام ہے وہ کام اللہ کے نزدیک قبول بھی نہیں ہوتی (کمانی الحدیث عن ابی سعید الخدریؓ)

قبولیت دعا کی شرائط

مسئلہ : آیات مذکورہ میں تو بظاہر کوئی شرط نہیں یہاں تک کہ مسلمان ہونا بھی قبولیت دعا کی شرط نہیں ہے' کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یہاں تک کہ ابلیس کی دعا تاقیامت زندہ رہنے کی قبول ہو گئی۔ نہ دعا کے لیے کوئی وقت شرط نہ طہارت اور نہ باوضو ہونا شرط ہے۔ مگر احادیث معتبرہ میں بعض چیزوں کو موانع قبولیت فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے اجتناب لازم ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یا رب یا رب کہہ کر اپنی حاجت مانگتے ہیں۔ مگر ان کا کھانا حرام' پینا حرام' لباس حرام' ان کی حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہو گی۔ (رواہ مسلم)

اسی طرح غفلت و بے پروائی کے ساتھ بغیر دھیان دیئے دعاء کے کلمات پڑھیں تو حدیث میں اس کے متعلق بھی آیا ہے۔ کہ ایسی دعاء بھی قبول نہیں ہوتی۔ (ترمذی عن ابی ہریرہؓ) (سورہ مومن آیت ۶۰) معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۶۱۲ تا ۶۱۳

مسئلہ : دعا آہستہ اور خفیہ کرنا چاہیے دعا میں آواز بلند کرنا پسند نہیں (البقرہ آیت ۱۸۶)

(معارف القرآن ج ۱ ص ۴۵۰)

علماء نے فرمایا ہے کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی حاجت مندی کا ذکر کرے۔ (سورہ مریم آیت)(معارف القرآن ج ۶ ص ۱۷)

مسئلہ : دعا کرنے والا پہلے یہ معلوم کرلے کہ جس کام کی دعا کر رہا ہے وہ جائز و حلال ہے یا نہیں مشتبہ حالات میں دعا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

(سورہ ھود آیت ۴۵)(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳۱)

دعا کے مزید دو آداب باطنی

جن کا تعلق انسان کے دل سے ہے وہ یہ کہ دعا کرنے والے کے دل میں اس کا خطرہ بھی ہونا چاہئے کہ شاید میری دعا قبول نہ ہو۔ اور امید بھی ہونی چاہئے کہ میری دعا قبول ہو سکتی ہے کیونکہ اپنی خطاؤں اور گناہوں سے بے فکر ہو جانا بھی ایمان کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے مایوس ہو جانا بھی کفر ہے قبولیت دعا کی جب ہی توقع کی جاسکتی ہے جب کہ ان دونوں حالتوں کے درمیان رہے۔

(سورہ اعراف آیت ۵۵)(معارف القرآن ص ۵۸۳ ج ۳)

نفل نماز کے سجدہ میں دعا کرنا جائز ہے

مسئلہ : نفل نمازوں کے سجدہ میں دعا کرنا ثابت ہے بعض روایات حدیث میں اس دعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں وہ الفاظ ماثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے فرائض میں اس طرح کی دعائیں ثابت نہیں کیونکہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے۔

مسئلہ : اس آیت (سورۃ العلق آیت ۱۹) کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہے صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوھریرۃؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت پر سجدۂ تلاوت کرنا ثابت ہے۔

(سورۃ الصلوٰۃ آیت ۱۹)(معارف القرآن ۷۸۹ ص ج ۸)

○☆○

اپنے اعمال نماز۔ روزہ کو فاسد کرنے کی ممانعت

مسئلہ : ابطال عمل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی نیک عمل کرکے اس کو قصداً فاسد کردے۔ مثلاً نفل نماز یا روزہ شروع کرکے پھر بغیر کسی عذر کے اس کو قصداً فاسد کر دے یہ بھی اس آیت (يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ) کے ذریعہ ناجائز قرار پایا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کہ جو اعمال صالحہ ابتداء فرض یا واجب نہیں تھے۔ مگر کسی نے ان کو شروع کردیا تو اب ان کی تکمیل اس آیت کی رو سے واجب ہوگئی تاکہ ابطال عمل کا مرتکب نہ ہو۔ اگر کسی نے ایسا عمل شروع کرکے بلا عذر کے چھوڑ دیا یا قصداً فاسد کردیا تو وہ گنہگار بھی ہوا اور اس کے ذمہ قضا بھی لازم ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نہ تو قضا لازم ہے اور نہ اس کے فاسد کرنے کا گنہگار ہوگا کیونکہ جب ابتداءً یہ عمل فرض یا واجب نہیں تھا تو بعد میں بھی فرض یا واجب نہیں جس کے ترک یا فساد سے گناہ لازم آئے۔

مگر حنفیہ کے نزدیک آیت مذکورہ کے الفاظ عام ہیں ہر عمل صالح کو شامل ہیں خواہ پہلے فرض و واجب ہو یا نفلی طور پر کرنا شروع کردیا ہو تو شروع کرنے سے وہ نفل عمل بھی واجب ہوگیا۔ تفسیر مظہری میں اس جگہ احادیث کثیرہ سے اس بحث کو مفصل لکھا ہے۔

(سورہ محمد آیت ۳۳) (معارف القرآن ص ۴۸ ج ۸)

کسل کے بارے میں ایک وضاحت

مسئلہ : جس کسل کی یہاں (قاموا کسالٰی میں) مذمت ہے وہ اعتقادی کسل ہے۔ اور جو باوجود اعتقاد صحیح کے کسل ہو وہ اس سے خارج ہے پھر اگر کسی عذر سے ہو جیسے مرض و تعب و غلبہ نوم تو قابل ملامت بھی نہیں، اور اگر بلا عذر ہو تو قابل ملامت ہے۔ (بیان القرآن) معارف القرآن حصہ دوم ص ۵۸۷

لے النساء آیت ۱۴۲۔

باب

احکام المیت

مردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دفن واجب ہے۔

(معارف القرآن ص۶۷۶ ج۸)

کافر کو مسلمان کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں

مسئلہ: چنانچہ اگر کوئی مردہ اس قسم کا پایا جائے کہ اس پر زنار ہے۔ اور اس کا ختنہ بھی نہیں کیا ہوا ہو تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ (قرطبی)

(سورہ البقرہ آیت ۲۷۳) (معارف القرآن ج۱ ص ۶۴۳)

مسئلہ: کسی کافر کے جنازہ کی نماز اور اس کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں۔

○☆○

ﮯ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ

مسئلہ کافر کی قبر پر کھڑا ہونا

کسی کافر کے اعزاز و اکرام کے لیے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لیے جانا حرام ہے۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے ہو یا کسی مجبوری کے لیے تو وہ کسی منافی نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مرجائے اور اس کا کوئی والی وارث نہیں۔ تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی طرح بغیر رعایت طریق مسنون کے گڑھے میں دبا سکتا ہے (سورہ توبہ آیت ۸۴) (معارف القرآن ص ۴۳۷ ج ۴)

باب

الزکوٰۃ

مقادیر زکوٰۃ میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقادیر زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین اور معلوم ہیں جن کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ میں منقول ہے اس لئے مقادیر پر زکوٰۃ خواہ نصاب زکوٰۃ سے متعلق ہوں یا مقدار واجب سے دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ طے شدہ ہیں یہ زمانے اور حالات کے بدلنے سے نہیں بدل سکتیں۔ (سورۃ المعارج آیت ۲۴) (معارف القرآن ج ۸ ص ۵۵۷)

ادائے زکوٰۃ کے متعلق بعض اہم مسائل

مسئلہ : صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو صدقات وصول کرنے کے بارے میں یہ ہدایت دی تھی کہ

خُذْهَا مِنْ اَغْنِيَآئِهِمْ وَرُدَّهَا فِيْ فُقَرَآئِهِمْ

یعنی صدقات مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقرا میں صرف کردو۔ اس کی بناء پر فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بلا ضرورت ایک شہر یا بستی کی زکوٰۃ دوسرے شہر یا بستی

میں نہ بھیجی جائے بلکہ اسی شہر اور بستی کے فقراء اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ البتہ اگر کسی شخص کے عزیز قریب غریب ہیں اور وہ کسی دوسرے شہر میں ہیں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دوہرے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔

اسی طرح اگر کسی دوسری بستی کے لوگوں کا فقر و فاقہ اپنے شہر سے زیادہ ضرورت معلوم ہو تو بھی وہاں بھیجا جا سکتا ہے کیونکہ مقصد صدقات دینے کا فقراء کی حاجت کو رفع کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن کے صدقات اکثر کپڑے لیا کرتے تھے تاکہ فقراء مہاجرین کے لئے مدینہ طیبہ بھیج دیں۔

(قرطبی بحوالہ دار قطنی)

اگر ایک شخص خود کسی شہر میں رہتا ہے۔ مگر اس کا مال دوسرے شہر میں ہے تو جس شہر میں خود رہتا ہے۔ اس کا اعتبار ہو گا کیونکہ اداء زکوٰۃ کا مخاطب یہی شخص ہے۔

(قرطبی)

مسئلہ : جس مال کی زکوٰۃ واجب ہے اس کی ادائیگی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اسی مال کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحقین کو دیدے جیسے تجارتی کپڑا' برتن' فرنیچر وغیرہ اور یہ بھی ہے کہ مقدار زکوٰۃ مال کی قیمت نکال کر وہ مستحقین میں تقسیم کرے۔ احادیث صحیحہ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ (قرطبی)۔

اور بعض ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ اس زمانہ میں نقد قیمت سے دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ فقراء کی ضرورتیں مختلف اور کثیر ہیں۔ نقد پیسوں کو کسی بھی ضرورت کے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ : اگر اپنے عزیز غریب لوگ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا زیادہ بہتر اور دوہرا ثواب ہے۔ ایک ثواب صدقات کا دوسرا صلہ رحمی کا' اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو یہ جتلا کر دے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی دیا جا سکتا ہے تاکہ لینے والے شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

مسئلہ : جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجت مند ظاہر

کرے اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے کیا دینے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقیقی حالات کی تحقیق کریں اور بغیر اس کے صدقہ نہ دیں۔ اس کے متعلق روایات حدیث اور اقوال فقہاء یہ ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں' بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر' حاجت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے لوگوں سے صدقات جمع کرنے کے لئے فرمایا۔ کافی مقدار میں جمع ہو گئی۔ تو وہ ان کو دیدی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے (قرطبی)

البتہ قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ مصارف صدقات میں سے ایک مدیون بھی ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے لئے مجھے زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے تو اس قرض کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہئے (قرطبی)

اور ظاہر یہ ہے کہ غارم فی سبیل اللہ' ابن السبیل وغیرہ میں بھی ایسی تحقیق کرلینا دشوار نہیں' ان صدقات میں حسب موقع تحقیق کرلینا چاہئے۔

مسئلہ : مال زکوٰۃ اپنے عزیز رشتہ داروں کو دینا زیادہ باعث ثواب ہے۔ مگر میاں' بی بی اور والدین و اولاد آپس میں ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو دینا ایک حیثیت سے اپنے ہی پاس رکھنا ہے۔

کیونکہ ان لوگوں کے مصارف عموماً مشترک ہوتے ہیں۔ شوہر نے اگر بیوی کو یا بیوی نے اگر شوہر کو اپنی زکوٰۃ دیدی' تو درحقیقت وہ اپنے ہی استعمال میں رہی' اسی طرح والدین اور اولاد کا معاملہ ہے اولاد کی اولاد اور دادا پر دادا کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ : اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنے گمان کے مطابق مستحق اور مصرف زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دے دی' بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی کا غلام اور کافر تھا۔ تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی' دوبارہ دینی چاہئے کیونکہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے۔ وہ اس کی ملک سے نکلا ہی نہیں۔ اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور کافر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔ اس

کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ مالدار ریا سید ہاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا یا بیوی یا شوہر ہے تو زکوٰۃ کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رقم زکوٰۃ اس کی ملک سے نکل کر محل ثواب میں پہنچ چکی ہے اور تعین مصرف میں جو غلطی کسی اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہو گئی وہ معاف ہے۔ (درمختار) (سورہ توبہ آیت ۶۰) (معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۹ تا ۴۱۳)

کیا صدقات کا مال کافر کو دیا جا سکتا ہے؟

اموال صدقات میں سے منافقین کو بھی حصہ ملا کرتا تھا۔ مگر وہ خواہش کے مطابق نہ ملنے پر ناراض ہو جاتے اور طعن و تشنیع کرنے لگتے تھے یہاں اگر صدقات سے مراد عام معنی لئے جائیں جس میں صدقات واجبہ اور نافلہ سب شامل ہیں' تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ نفلی صدقات میں سے غیر مسلموں کو دینا باتفاق امت جائز اور سنت سے ثابت ہے اور اگر صدقات سے مراد اس جگہ صدقات فرض زکوٰۃ' عشر وغیرہ ہی ہوں' تو منافقین کو اس میں سے حصہ دینا اس بناء پر تھا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔

اور ظاہری کوئی حجت ان کے کفر پر قائم نہ ہوئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے مصلحت حکم یہی دے رکھا تھا کہ منافقین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ (بیان القرآن ملخصاً) (سورہ توبہ آیت ۵۹) معارف القرآن حصہ چہارم ص ۳۹۴۔

مسئلہ : نفلی صدقات ذمی اور مصالح کافر کو بھی دیئے جا سکتے ہیں صرف کافر حربی کو دینا ممنوع ہے۔ (سورہ ممتحنہ آیت ۸) (معارف القرآن ج ۸ ص ۴۰۶)

مسئلہ : حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ وغیرہ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ : کافر ذمی یعنی غیر حربی کو صرف زکوٰۃ و عشر دینا جائز نہیں اور دوسرے صدقات واجبہ و نفل سب جائز ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۷۲) (معارف القرآن حصہ اول ۶۴۲)

مسئلہ : اگر کوئی فقیر قیمتی کپڑے پہنے ہوئے ہو تو اس کی وجہ سے اس کو غنی نہیں کہا

جائے گا بلکہ اس کو فقیر ہی کہا جائے گا۔ اور ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا بھی صحیح ہوگا۔ (قرطبی)
(البقرۃ آیت ۲۷۳) (معارف القرآن ص ۶۴۳ ج ۱)

عشر اراضی کے احکام

مسئلہ : عشری زمین میں عشر واجب ہے۔ عشری زمین کی ہر قلیل و کثیر پیداوار پر عشر واجب ہے۔ عشر و خراج شریعت اسلامی کے دو اصلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں ایک بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی ایک حیثیت ان دونوں میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ٹیکس سے زیادہ اصلی حیثیت عبادت مالی کی ہے مثل زکوٰۃ کے۔ اسی لئے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ مسلمان چونکہ عبادت کے اہل اور پابند ہیں ان سے جو زمین کی پیداوار کا حصہ لیا جاتا ہے اس کو عشر کہتے ہیں۔ اور غیر مسلم چونکہ عبادت کے اہل نہیں ان کی زمینوں پر جو کچھ عائد کیا جاتا ہے اس کا نام خراج ہے۔ عملی طور پر زکوٰۃ اور عشر میں یہ بھی فرق ہے کہ سونا چاندی اور تجارت کے مال پر زکوٰۃ سال بھر گزرنے کے بعد عائد ہوتی ہے۔ اور عشر زمین سے پیداوار حاصل ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : اگر زمین سے کوئی پیداوار نہ ہو تو عشر ساقط ہو جاتا ہے لیکن اموال تجارت اور سونے چاندی پر اگر کوئی نفع بھی نہ ہو تب بھی سال پورا ہونے پر ان پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔ (البقرۃ آیت ۲۶۷) معارف القرآن حصہ اول ص ۶۳۹ تا ۶۴۰

مسئلہ تملیک

جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے۔ کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دیدیا جائے' بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ

کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی' اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے' یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں' اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے۔ جو مصرف زکوٰۃ ہیں۔ مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا' کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے۔ اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دیدی جائے۔ اس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے۔ اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں' ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کر دے۔ اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے۔ تو اس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں کیا جا سکتا' ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں' تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جا سکتا ہے وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر' اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہنچتا ہے۔ مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین' ابوحنیفہ شافعی مالک احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں۔

شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح صغیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور فقہاء شافعیہ' مالکیہ' حنابلہ کی عام کتابوں میں ان کی تصریحات موجود ہیں۔

(سورہ توبہ آیت ۶۰) معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۹' ۴۱۰

مسئلہ : زکوٰۃ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے اس کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں۔

(سورۂ توبہ آیت ۳۵) معارف القرآن ج ۴ ص ۳۶۷

حیلوں کی شرعی حیثیت

مسئلہ : کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لیے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے، تو وہ جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ کو پوری سو قمچیاں ماریں۔ لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں اور انھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی۔ اور یہ تصریح کردی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لیے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں۔ جب کہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حقدار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لیے حلال کرلیا جائے۔ تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے۔ مثلاً زکوٰۃ سے بچنے کے لیے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دے دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد بیوی نے شوہر کی ملکیت میں دے دیا۔ اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہوا تو پھر شوہر نے بیوی کو ہبہ کردیا۔ اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس لیے حرام ہے اور شاید اس کا وبال ترک زکوٰۃ کے وبال سے زیادہ بڑا ہو۔ (روح المعانی از مبسوط سرخسی)

نامناسب کام پر قسم کھانا

مسئلہ : اگر کوئی شخص کسی نامناسب، غلط یا ناجائز فعل پر قسم کھالے تو قسم منعقد ہوجاتی ہے۔ اور اس کے توڑنے پر کفارہ بھی آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں کفارہ نہ آتا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ حیلہ تلقین نہ فرمایا جاتا لیکن ساتھ ہی یہ بھی

یاد رکھنا چاہئے کہ کسی نامناسب کام پر قسم کھالی جائے۔ تو شرعی حکم یہ ہے کہ اسے توڑ کر کفارہ ادا کردیا جائے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک قسم کھالے پھر بعد میں اس کی رائے یہ ہو کہ اس قسم کے خلاف عمل کرنا زیادہ بہتر ہے' تو اسے چاہئے کہ وہ وہی کام کرے جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔
(سورۂ ص آیت ۴۴)(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۵۴۲ تا ۵۴۳)

زکوٰۃ کے علاوہ دیگر مالی فرائض

مسئلہ: مالی فرض صرف زکوٰۃ سے پورا نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت جگہ مال خرچ کرنا فرض و واجب ہوتا ہے (جصاص قرطبی) جیسے رشتہ داروں پر خرچ کرنا کہ جب وہ کمانے سے معذور ہوں تو نفقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ کوئی مسکین غریب مر رہا ہے اور آپ اپنی زکوٰۃ ادا کر چکے ہیں۔ مگر اس وقت مال خرچ کرکے اس کی جان بچانا واجب ہے۔ اسی طرح ضرورت کی جگہ مسجد بنانا یا دینی تعلیم کے لیے مدارس و مکاتب بنانا یہ سب فرائض مالی میں داخل ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ زکوٰۃ کا ایک خاص قانون ہے اس کے مطابق ہر حال میں زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اور یہ دوسرے مصارف ضرورت و حاجت پر موقوف ہیں جہاں جہاں ضرورت ہو خرچ کرنا فرض ہوجائے گا جہاں نہ ہو فرض نہیں ہوگا۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷) معارف القرآن ج ۱ ص ۴۳۲)

اکتناز دولت پر اسلامی قوانین کی ضرب کاری

حق تعالیٰ رب العالمین ہے' اس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسانی ضروریات میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے' اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں کیا گیا' خاندانی او طبقاتی امیر و غریب کا کیا امتیاز ہوتا' اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تقسیم دولت کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری اور اصلی ضروریات پر مشتمل ہے۔ اس کی تقسیم خود اپنے دست قدرت میں رکھ کر اس طرح فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ ہر خطہ ہر کمزور و قوی

یکساں فائدہ اٹھا سکے‘ ایسی اشیاء کو اللہ جل شانہٗ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانی دستبرد اور قبضہ و تسلط سے مافوق بنادیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس پر ذاتی قبضہ جما سکے‘ ہوا‘ فضا‘ آفتاب‘ ماہتاب‘ اور سیاروں کی روشنی‘ فضاء میں پیدا ہونے والے بادل ان کی بارش یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر انسان تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا‘ ان سب کو قدرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایسا وقف عام بنادیا کہ کوئی بڑی سے بڑی حکومت و طاقت اس پر قبضہ نہیں جما سکتی یہ چیزیں اللہ کی مخلوق کو ہر جگہ یکساں ملتی ہیں۔

اشیائے ضرورت کی دوسری قسط زمین سے نکلنے والا پانی اور کھانے کی چیزیں ہیں‘ یہ اگرچہ اتنی عام نہیں۔ مگر اسلامی قانون میں پہاڑوں اور غیر آباد جنگلوں اور قدرتی چشموں کو وقف عام چھوڑ کر ایک خاص قانون کے تحت خاص خاص انسانوں کو زمین کے بعض حصوں پر جائز حق ملکیت بھی دیا جاتا ہے اور ناجائز قبضہ و تسلط جمانے والے بھی زمین پر قبضہ جما لیتے ہیں‘ لیکن قدرتی طور پر زمین کے فوائد کوئی بڑا سرمایہ دار بھی بغیر غریبوں‘ کسانوں‘ مزدوروں کو ساتھ لیے حاصل نہیں کر سکتا‘ اس لیے ایک گونہ قبضہ کے باوجود وہ اس میں دوسرے کمزور غریبوں کو حصہ دینے پر مجبور ہے۔

تیسری قسط سونا چاندی‘ روپیہ پیسہ ہے‘ جو اصلی اور فطری ضروریات میں داخل نہیں‘ مگر حق تعالیٰ نے اس کو تمام ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ بنادیا ہے‘ اور یہ معاون سے نکالنے کے بعد خاص قانون کے تحت نکالنے والوں کی ملکیت ہو جاتا ہے‘ اور ان سے ان کی ملکیت مختلف طریقوں پر دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے اور اگر اس کی گردش پورے انسانوں میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا‘ مگر ہوتا یہ ہے کہ مال سے صرف خود ہی فائدہ اٹھائے‘ دوسروں تک اس کا فائدہ نہ پہنچے‘ اس بخل و حرص نے دنیا میں اکتناز دولت اور سرمایہ پرستی کے پرانے اور نئے بہت سے طریقے ایجاد کرائے‘ جن کے ذریعہ اس دولت کی گردش صرف سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گئی‘ عام غریب مساکین محروم کر دیئے گئے‘ جس کے رد عمل نے دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نامعقول طریقے ایجاد کئے۔

اسلامی قانون نے ایک طرف تو شخصی ملکیت کا اتنا احترام کیا کہ ایک شخص کے مال کو اس کی جان کی برابر اور جان کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا اس پر کسی کے ناجائز

تصرف کو شدت سے روکا، دوسری طرف جو ہاتھ ناجائز طور پر اس طرف بڑھا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا، تیسری طرف ایسے تمام دروازے بند کردیئے کہ قدرت وسائل سے حاصل ہونے والی چیزوں پر کوئی خاص شخص یا جماعت قبضہ کر کے بیٹھ جائے اور عوام کو محروم کردے۔ کسب و اکتساب کے مروجہ طریقوں میں سود، سٹہ، جو ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے ذریعہ دولت سمٹ کر چند افراد و اشخاص میں دائر ہو کر رہ جاتی ہے، ان سب کو سخت حرام قرار دے کر تمام معاملات تجارت اور کرایہ داری وغیرہ میں ان کی جڑ کاٹ دی، اور جو دولت کسی شخص کے پاس جائز طریقوں سے جمع ہوئی اس میں بھی غریبوں، فقیروں کے حقوق، زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر، کفارات وغیرہ مقررہ فرائض کی صورت میں اور اس سے زائد رضاکارانہ صورت میں قائم فرمادیئے، اور ان سب اخراجات کے بعد بھی جو کچھ انسان کے مرنے کے وقت تک باقی رہ گیا۔ اس کو ایک خاص حکیمانہ اصول کے مطابق تقسیم کردیا کہ اس کا حق دار اسی مرنے والے کے رشتہ داروں کو اقرب فالا قرب کے اصول پر بنادیا۔ اس کو عام فقراء میں تقسیم کرنے کا قانون اس لیے نہ بنایا کہ ایسا ہوتا تو مرنے والا اپنے مرنے سے پہلے ہی اس کو جا و بے جا خرچ کر کے فارغ ہونے کی خواہش طبعی طور پر رکھتا، اپنے ہی خویش و عزیز کو ملتا دیکھ کر یہ داعیہ اس کے دل میں پرورش نہ پائے گا۔

یہ طریقہ تو کسب و اکتساب کے عام مروجہ طریقوں میں اکتناز دولت سے بچانے کا اختیار کیا، دوسرا طریقہ دولت حاصل ہونے کا جنگ و جہاد ہے، اس سے حاصل ہونے والے اموال میں وہ تقسیم شرعی جاری فرمادی جس کا ذکر کچھ سورۃ انفال میں گذرا ہے، اور کچھ اس سورت میں بیان ہوا ہے، کیسے بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو اسلام کے اس منصفانہ، عادلانہ اور حکیمانہ نظام کو چھوڑ کر نئے نئے ازموں کو اختیار کر کے امن عالم کو برباد کرتے ہیں۔

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الآیۃ۔ یہ آیت اگرچہ مال فئے کی تقسیم کے سلسلے میں آئی ہے۔ اور اس سلسلے کے مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مال فئے میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کے طبقات بیان کردیئے ہیں مگر ان میں کس کو اور کتنا دیں۔ اس کی تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر

رکھی ہے' اس لیے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی کہ جس کو جتنا آپ عطا فرمادیں اس کو راضی ہو کر لے لیں اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں' آگے اس کو اِتَّقُوا اللّٰہَ کے حکم سے مؤکد کردیا کہ اگر اس معاملے میں کچھ غلط حیلے بہانے بنا کر زائد وصول کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے وہ اس کی سزا دے گا۔

(سورۃ الحشر آیت ۱۵۹) معارف القرآن ج ۸ ص ۳۶۹' ۳۷۰

باب

مسائل صوم

رمضان کے روزے کے احکام

مسئلہ : رمضان کے روزے فرض ہونے کے لیے ماہ رمضان کا بحالت صلاحیت پالینا شرط ہے۔ اس لیے جس نے پورا رمضان پالیا۔ اس پر پورے رمضان کے روزے فرض ہوگئے۔ جس نے کچھ کم پایا اس پر اتنے ہی دن کے روزے فرض ہوئے۔ جتنے دن رمضان کے پائے۔ اس لیے وسط رمضان میں جو کافر مسلمان ہوا یا نابالغ بالغ ہوا۔ اس پر صرف آئندہ کے روزے لازم ہوں گے۔ گذشتہ ایام رمضان کی قضا لازم نہ ہوگی۔ البتہ مجنون مسلمان اور بالغ ہونے کے اعتبار سے ذاتی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ اگر رمضان کے کسی حصہ میں ہوش میں آجائے تو ایام رمضان کی قضا بھی اس پر لازم ہوجائے گی۔ اسی طرح حیض و نفاس والی عورت' وسط رمضان میں پاک ہوجائے یا مریض تندرست ہوجائے۔ یا مسافر مقیم ہوجائے۔ تو گذشتہ ایام کی قضا لازم ہوگی۔

مسئلہ : ماہ رمضان کا پالینا شرعاً تین طریقوں سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ خود رمضان کا چاند دیکھ لے۔ دوسرے یہ کہ کسی معتبر شہادت سے چاند دیکھنا ثابت ہوجائے۔ اور جب یہ دونوں صورتیں نہ پائی جائیں تو شعبان کے تمیں روز پورے کرنے کے بعد ماہ رمضان شروع ہوجائے گا۔

مسئلہ: شعبان کی انتیسویں تاریخ کی شام کو اگر ابر وغیرہ کے سبب چاند نظر نہ آئے اور کوئی شرعی شہادت بھی چاند دیکھنے کی نہ پہنچے تو اگلا روز یوم الشک کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ حقیقتہً چاند ہو گیا ہو۔ مگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ آیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آج چاند ہی مطلع پر نہ آیا ہو۔ اس روز میں چونکہ شہود شہر یعنی رمضان کا پالینا صادق نہیں آتا۔ اس لیے اس دن کا روزہ رکھنا واجب نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے تاکہ فرض اور نفل میں اختلاط اور التباس نہ پیدا ہو جائے (جصاص)

مسئلہ: جن ملکوں میں رات دن کئی کئی مہینوں کے طویل ہوتے ہیں وہاں شہود شہر یعنی رمضان کا پالینا بظاہر صادق نہیں آتا۔ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان پر روزے فرض ہی نہ ہوں۔ فقہائے حنفیہ میں سے حلوانی اور بقالی وغیرہ نے نماز کے متعلق تو اسی پر فتویٰ دیا ہے کہ ان لوگوں پر اپنے ہی دن رات کے اعتبار سے نماز کا حکم عائد ہوگا۔ مثلاً جس ملک میں مغرب کے فوراً بعد صبح صادق ہو جاتی ہے وہاں نماز عشاء فرض ہی نہیں۔ (شامی) اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جہاں چھ مہینے کا دن ہے وہاں چھ مہینے میں صرف پانچ نمازیں ہوں گی۔ اور رمضان وہاں آئے گا ہی نہیں۔ اس لیے روزے بھی فرض نہ ہوں گے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں روزے کے متعلق اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

(البقرہ آیت ۱۸۵) معارف القرآن حصہ اول ص ۴۴۹ تا ۴۵۰

سکوت کا روزہ جائز نہیں

مسئلہ: قبل از اسلام یہ بھی عبادت میں داخل تھا کہ بولنے کا روزہ رکھے صبح سے رات تک کسی سے کلام نہ کرے اسلام نے اس کو منسوخ کر کے یہ لازم کر دیا کہ صرف برے کلام، گالی گلوچ، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے پرہیز کیا جائے عام گفتگو ترک کرنا اسلام میں کوئی عبادت نہیں اس لیے اس کی نذر ماننا بھی جائز نہیں۔

(سورۂ مریم آیت ۲۶) معارف القرآن ج ۶ ص ۲۴

سحری کے چند ضروری احکام

مسئلہ: وہ لوگ جو ایسے مقام پر ہیں جہاں سے صبح صادق کو بچشم خود دیکھ کر یقین حاصل کرسکتے ہیں، اور مطلع بھی صاف ہے، اور وہ صبح صادق کی ابتدائی روشنی کی پہچان بھی رکھتے ہیں، تو ان کو لازم ہے کہ براہِ راست افق کو دیکھ کر عمل کریں، اور جہاں یہ صورت نہ ہو مثلاً کھلا ہوا افق سامنے نہیں یا مطلع صاف نہیں، یا اس کو صبح صادق کی پہچان نہیں، اس لیے وہ دوسرے آثار و علامات یا ریاضی حسابات کے ذریعہ وقت کا تعین کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے لیے کچھ وقت ایسا آئے گا کہ صبح صادق کا ہوجانا مشکوک ہو یقینی نہ ہو، ایسے لوگوں کو مشکوک حالت میں کیا کرنا چاہئے، اس کے متعلق امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس حالت میں اصل تو یہی ہے کہ کھانے پینے پر اقدام نہ کرے، لیکن مشکوک حالت میں صبح صادق کا یقین ہونے سے پہلے پہلے کسی نے کچھ کھا پی لیا تو گناہگار نہیں ہوگا، لیکن اگر بعد میں تحقیق سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس وقت صبح ہوچکی تھی۔ تو قضا اس کے ذمہ لازم ہے، جیسے شروع رمضان میں چاند نظر نہ آیا اور لوگوں نے روزہ نہ رکھا، مگر بعد میں شہادت سے ۲۹ کا چاند ثابت ہوگیا، تو جن لوگوں نے اس دن کو شعبان کی تیسویں تاریخ سمجھ کر روزہ نہیں رکھا تھا، وہ گنہگار تو نہیں ہوئے، مگر اس روزے کی قضاء ان پر باتفاق لازم ہے، اسی طرح بادل کے دن میں غروب کے گمان پر روزہ افطار کرلیا، بعد میں آفتاب نکل آیا، تو یہ شخص گناہگار تو نہیں قضا اس پر واجب ہے۔ (البقرہ آیت ۱۸۷) (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۵۵)

فدیہ کے متعلق مسائل

مسئلہ: ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہے نصف صاع ہمارے مروجہ سیر اَسّی تولہ کے حساب سے تقریباً پونے دو سیر ہوتے ہیں۔ اس کی بازاری قیمت معلوم کرکے کسی غریب مسکین کو مالکانہ طور پر دیدینا ایک کا فدیہ ہے۔ بشرطیکہ کسی مسجد،

مدرسہ کی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ : ایک روزہ کے فدیہ کو دو آدمیوں میں تقسیم کرنا یا چند روزوں کے فدیہ کو ایک ہی شخص کو ایک ہی تاریخ میں دینا درست نہیں جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحر از قنیہ نقل کیا ہے۔ مگر حضرت نے امداد الفتاویٰ میں فتویٰ اس پر نقل کیا ہے کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ شامی نے بھی فتویٰ اسی پر نقل کیا ہے۔

البتہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ کئی روزوں کا فدیہ ایک تاریخ میں ایک کو نہ دے۔ لیکن دے دینے میں گنجائش بھی ہے۔ یہ فتویٰ مرقومہ ۱۳۵۳ھ امداد الفتاویٰ جلد دوم صفحہ ۱۲۴ میں منقول ہے۔

مسئلہ : اگر کسی کو فدیہ ادا کرنے کی بھی وسعت نہ ہو تو وہ فقط استغفار کرے۔ اور دل میں نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کروں گا۔

(البقرہ آیت ۱۸۴) بیان القرآن معارف القرآن جلد اول ص ۴۴۶

اعتکاف کے متعلق مسائل

مسئلہ : روزے کی رات میں کھانا' پینا۔ بی بی سے مباشرت سب کا حلال ہونا آیا ہے۔ حالت اعتکاف میں کھانے پینے کا تو وہی حکم ہے جو سب کے لیے ہے۔ مگر مباشرت نساء کے معاملہ میں الگ ہے کہ وہ رات میں بھی جائز نہیں۔

مسئلہ : اعتکاف کے دوسرے مسائل کہ اس کے ساتھ روزہ شرط ہے اور یہ کہ اعتکاف میں مسجد سے نکلنا بغیر حاجت طبعی یا شرعی کے.... جائز نہیں۔ کچھ اسی لفظ اعتکاف سے مستفاد ہیں۔ کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے۔

(البقرہ آیت ۱۸۷)۔ معارف القرآن حصہ اول ص ۴۵۶

شب قدر کے احکام

مسئلہ : جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی اس

نے بھی اس رات کا ثواب پالیا اور جو شخص جتنا زیادہ کرے گا زیادہ ثواب پائے گا صحیح مسلم میں حضرت عثمان غنیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے ادا کرلی تو آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا اور جس شخص نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرلی تو پوری رات جاگنے، عبادت کرنے کا ثواب حاصل کرلیا۔ (سورۃ القدر آیت ۵۷۷) (معارف القرآن ج ۸ ص ۷۹۴)

ہلال عید کا بیان

مسئلہ: ہلال رمضان و عید کے مسئلے میں فقہاء نے یہی فرمایا ہے کہ ایک شہر میں اگر شہادت شرعیہ کے ساتھ قاضی شہر کے حکم سے چاند کی رؤیت ثابت ہو جائے تو ملحقہ بستیوں کو بھی اس پر عمل کرنا لازم ہے لیکن دوسرے شہر والوں پر اس وقت تک لازم نہیں ہوگا۔ جب تک خود اس شہر کا قاضی شہادت کو تسلیم کرکے اس کا حکم نہ دے۔

(کذا فی الفتاوی الغیاثیہ) (سورۃ القصص آیت ۵۹) (معارف القرآن حصہ ششم ص ۶۵۳)

باب

مسائل الحج

مسائل حج

مسئلہ : چوپائے جانوروں سے دودھ، سواری، باربرداری ہر قسم کے منافع حاصل کرنا تمہارے لیے اس وقت تک تو حلال ہے جب تک ان کو حرم مکہ میں ذبح کرنے کے لیے نامزد کرکے ہدی نہ بنالیا ہو۔ ہدی اس جانور کو کہتے ہیں۔ جو حج یا عمرہ کرنے والا اپنے ساتھ کوئی جانور لے جائے کہ اس کو حرم شریف میں ذبح کیا جائے گا۔ جب اس کو ہدی حرم کے لیے نامزد اور مقرر کردیا۔ تو پھر اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا بغیر کسی خاص مجبوری کے جائز نہیں۔ جیسے اونٹ کو ہدی بنا کر ساتھ لیا اور خود پیدل چل رہا ہے۔ سواری کے لیے کوئی دوسرا جانور موجود نہیں۔ اور خود پیدل چلنا پڑا تو مجبوری اور ضرورت کی بناء پر اس وقت سوار ہونے کی اجازت ہے۔

مسئلہ : یہاں بیت عتیق سے مراد پورا حرم شریف ہے۔ جو در حقیقت بیت اللہ ہی کا حریم خاص ہے۔ جیسے سابقہ آیت میں مسجد حرام کے لفظ سے پورا حرم مراد لیا گیا۔ یہاں بیت عتیق سے مراد پورا حرم ہے۔ ہدی کے جانوروں کے ذبح کرنے کا مقام بیت

عتیق ہے۔ اور مراد پورا حرم ہے کہ وہ بیت عتیق ہی کے حکم میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ ھدی کا ذبح کرنا حرم کے اندر ضروری ہے حرم سے باہر جائز نہیں۔ اور پھر حرم عام ہے۔ خواہ منیٰ ہو یا مکہ مکرمہ کی اور جگہ ہو۔

(سورۃ الحج آیت ۳۳) معارف القرآن حصہ ششم ص ۲۶۳

مسئلہ : ایسا جانور جو کسی جنایت اور جرم (مثلاً حرم شریف میں شکار کرنا) کی سزا کے طور پر لازم (ذبح) ہوا ہے اس کا گوشت خود اس شخص کے لیے کھانا جائز نہیں یہ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے۔ بلکہ کسی دوسرے مالدار آدمی کو بھی اس کا کھانا جائز نہیں باقی قسمیں قربانی کی واجب ہوں یا نفلی واجب میں حنفیہ شافعیہ مالکیہ کے نزدیک دم تمتع اور قران بھی داخل ہیں ان سب کا گوشت قربانی والا اس کے احباب و اعزہ اگرچہ اغنیاء ہوں کھا سکتے ہیں۔

(سورۃ الحج آیت ۲۹) معارف القرآن ج ۶ ص ۲۵۸

افعال حج میں ترتیب کا درجہ

مسئلہ : جو ترتیب افعال حج کی قرآن و حدیث میں آئی۔ اور فقہاء نے اس کو منضبط کیا اسی ترتیب سے افعال حج ادا کرنا باتفاق امت کم از کم سنت ضرور ہے۔ واجب ہونے میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک واجب ہے جس کے خلاف کرنے سے ایک دم جنایت لازم ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔ اس لیے اس کے خلاف کرنے سے ثواب میں کمی آتی ہے۔ مگر دم لازم نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے۔

من قدم شیئاً من نسکہ او اخرہ فلیھرق دما رواہ ابن ابی شیبۃ موقوفا وھو فی حکم المرفوع (مظہری)

یعنی جس شخص نے افعال حج میں سے کسی کو مقدم یا مؤخر کر دیا اس پر لازم ہے کہ ایک دم دے۔

یہ روایت طحاوی نے بھی مختلف طریق سے نقل کی ہے۔ اور حضرت سعید بن

جبیرؒ، قتادہؒ، نخعیؒ، حسن بصریؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ خلاف ترتیب کرنے والے پر لازم کرتے ہیں۔ جو کام شرعاً کسی شخص پر لازم واجب نہیں تھا۔ اگر وہ زبان سے یہ نذر کرے اور منت مان لے کہ میں یہ کام کروں گا یا اللہ کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ فلاں کام کروں تو یہ نذر ہو جاتی ہے۔ جس کا حکم یہ ہے کہ اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اصل سے واجب نہیں تھا۔ مگر اس کے واجب ہو جانے کے لیے یہ شرط تو باتفاق امت ہے کہ وہ شرعاً گناہ اور جائز نہ ہو۔ اگر کسی شخص نے گناہ کے کام کی نذر مان لی۔ تو اس پر وہ گناہ کرنا اس سے لازم نہیں ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف کرنا واجب ہے۔ البتہ اس پر کفارۂ قسم لازم ہو جائے گا۔ اور ابو حنیفہؒ وغیرہ ائمہ فقہاء کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ وہ کام ایسا ہو جس کی جنس میں کوئی عبادت مقصودہ شرعیہ پائی جاتی ہو۔ جیسے نماز، روزہ، صدقہ، قربانی وغیرہ کہ ان کی جنس میں کچھ شرعی واجبات اور عبادات مقصودہ ہیں۔ تو اگر کوئی شخص نفلی نماز روزے صدقہ وغیرہ کی نذر مان لے تو وہ نفل اس کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے۔ اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم و واجب ہے۔

مسئلہ : دل میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرنے سے نذر نہیں ہوتی جب تک زبان سے الفاظ نذر ادا نہ کرے۔ تفسیر مظہری میں اس جگہ نذر اور منت کے احکام و مسائل تفصیل سے جمع کر دیئے ہیں۔

(سورۃ الحج آیت ۲۹) معارف القرآن حصہ ششم ص ۲۵۹ تا ۲۶۰۔

مسئلہ : حرم مکہ میں انسان کیا شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں لیکن اسی آیت (البقرہ آیت ۱۹۱) سے معلوم ہوا کہ اگر حرم محترم میں کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتال کرنا جائز ہے اس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ : اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتداءِ جہاد و قتال صرف مسجد حرام ہے۔

○☆○

احرام کے بعد حج و عمرہ ادا کرنے کی صورت میں احرام سے نکلنے کا طریقہ

مجبوری کی حالت میں قربانی دے کر احرام کھول دینا جائز ہے مگر بعد میں قضاء کرنا واجب ہے احرام کا فدیہ ایک قربانی دینا ہے بکری 'گائے' اونٹ وغیرہ جو آسان ہو۔ قربانی دے کر احرام کھول دیں۔ احرام کھولنا جس کی شرعی صورت سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا ہے۔ اس وقت تک جائز نہیں جب تک محرم کی قربانی اپنے موقع پر پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے۔ موقع پر پہنچنے سے مراد امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ حدود حرم میں پہنچ کر ذبح کی جائے خود نہ کر سکیں تو کسی سے کرادیں۔ اس آیت میں دشمن حائل ہو جانے کی صورت صراحۃً مذکور ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ نے بیماری وغیرہ کی مجبوری کو بھی باشتراک علت داخل قرار دیا ہے۔

حالت احرام میں بال منڈانے پر مجبور ہو جائے تو کیا کرے

اگر کسی بیماری کے سبب سر یا بدن کے کسی دوسرے حصہ کے بال منڈانے کی مجبوری ہو یا سر میں جوویں پیدا ہو کر تکلیف دے رہی ہوں تو ایسی صورت میں بال منڈانا بقدر ضرورت جائز ہے۔ مگر اس کا فدیہ اور بدلہ یہ ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے (سورہ بقرہ آیت ۱۹۶) قربانی کے لیے تو حدود حرم کی جگہ متعین ہے۔ روزوں کی تعداد تین ہے یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع (پونے دو سیر) گندم یا اس کی قیمت بطور صدقہ دے دیں۔

(معارف القرآن ج ۱ ص ۴۸۱ ، ص ۴۸۲)

سفر حج میں تجارت یا مزدوری کرنا کیسا ہے

اس کا مدار اصل نیت پر ہے اگر کسی شخص کی نیت اصل میں دنیوی نفع تجارت یا

مزدوری ہے اور ضمنی طور پر حج دونوں مساوی صورت میں ہیں تب تو یہ اخلاص کا ثواب ہے حج کا ثواب اس سے کم ہو جائے گا اور برکات حج جیسی حاصل ہونی چاہیے وہ حاصل نہ ہوں گی اور اگر اصل نیت حج کی ہے اسی کے شوق میں نکلا ہے۔ لیکن مصارف حج یا گھر کی ضروریات میں تنگی ہے اس کو پورا کرنے کے لیے کوئی معمولی تجارت یا مزدوری کر لی' یہ اخلاص کے منافی نہیں ہاں اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ خاص ان پانچ ایام میں جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں ان میں کوئی مشغلہ تجارت و مزدوری کا نہ رکھے بلکہ ان ایام کو خالص عبادت و ذکر میں گزارے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے خاص ان ایام میں تجارت و مزدوری کو ممنوع بھی فرمایا ہے۔

(سورۃ البقرہ آیت ۱۹۸) معارف القرآن ج ۸ ص ۴۸۷)

طواف کے بعد دو رکعتیں واجب ہیں

طواف کے بعد دو رکعتیں واجب ہیں اور سنت ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کی جائیں لیکن اگر کسی وجہ سے وہاں ادا نہ کر سکا تو پھر حرم میں یا حرم سے باہر جہاں کہیں ممکن ہو ادا کرنے سے واجب ادا ہو جائے گا۔

(سورۃ البقرہ آیت ۱۲۵) (معارف القرآن ج ۱ ص ۳۲۳)

باب

النکاح

نکاح کے متعلق مسائل!

مسئلہ : باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی ہے کہ باپ نے ان سے وطی بھی کی ہو لہذا کسی بھی عورت سے اگر باپ کا عقد بھی ہو جائے تو اس عورت سے بیٹے کے لئے نکاح کبھی بھی حلال نہیں۔ اسی طرح سے بیٹے کی بیوی سے باپ کو نکاح کرنا درست نہیں اگرچہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہے۔

قال الشامی و تحرم زوجۃ الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بہا اولا۔

مسئلہ : اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا ہو تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

اپنی والدہ سے نکاح کرنا حرام ہے اور اس ضمن میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں۔

اپنی صلبی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اور لڑکی کی لڑکی سے بھی اور بیٹے کی لڑکی سے بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیٹی۔ پوتی۔ پرپوتی۔ نواسی پڑنواسی ان سب سے نکاح کرنا حرام

ہے اور سوتیلی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہو اور بیوی کے ساتھ لائی ہو۔ اس سے نکاح کرنے یا نہ کرنے میں تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے۔ اور جو لڑکا لڑکی صلبی نہ ہو بلکہ گود لے کر پال لیا ہو۔ ان سے اور ان کی اور اولاد سے نکاح جائز ہے۔ بشرطیکہ کسی دوسرے طریقے سے حرمت نہ آئی ہو اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس نطفہ سے جو لڑکی پیدا ہو وہ بھی بیٹی کے حکم میں ہے۔ اس سے بھی نکاح درست نہیں اپنی حقیقی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اور اس بہن سے بھی جو علاتی (باپ شریک) اور اس بہن سے بھی جو اخیافی (ماں شریک) ہو اپنے باپ کی حقیقی بہن' علاتی' اخیافی بہن' ان تینوں سے نکاح حرام ہے۔ غرض کہ تینوں طرح کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

اپنی والدہ کی حقیقی بہن ہو یا علاتی یا اخیافی ہر ایک سے نکاح حرام ہے۔

بھائی کی لڑکیوں یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ حقیقی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی ہو۔ تینوں طرح کے بھائیوں کی لڑکیوں سے نکاح حلال نہیں ہے۔

بہن کی لڑکیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ اور یہاں بھی وہی تعمیم ہے کہ بہنیں خواہ حقیقی ہوں' علاتی ہوں یا اخیافی ان کی لڑکیاں شرعاً نکاح میں نہیں آسکتیں۔

جن عورتوں کا دودھ پیا ہے اگرچہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں۔ وہ بھی حرمت نکاح کے بارے میں والدہ کے حکم میں ہیں اور ان سے بھی نکاح حرام ہے۔ تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ۔ ایک دفعہ پیا ہو یا متعدد دفعہ پیا ہو' ہر صورت میں یہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو حرمت رضاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

البتہ اتنی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حرمت رضاعت اسی زمانہ میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔ جو بچپن میں دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ

یعنی رضاعت سے جو حرمت ثابت ہوگی وہ اسی زمانہ کے دودھ پینے ہی سے بچے کا نشوونما ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور یہ مدت امام ابو حنیفہ کے نزدیک بچے کی پیدائش سے لے کر ڈھائی سال تک ہے۔ اور دیگر فقہاء کے نزدیک جن میں امام ابو حنیفہ کے مخصوص شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ صرف دو سال تک

مدت رضاعت ثابت ہو سکتی ہے۔ اور اسی پر امام محمدؒ کا فتویٰ بھی ہے۔ اگر کسی لڑکے لڑکی نے اس عمر کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

رضاعت کے رشتہ سے جو بہنیں ہیں۔ ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ جب کسی لڑکی یا لڑکے نے ایام رضاع میں کسی عورت کا دودھ پی لیا۔ وہ عورت ان کی رضاعی والدہ بن گئی۔ اور اس عورت کا شوہر اس کا باپ بن گیا۔ اور اس عورت کی نسبی اولاد اس کے بہن بھائی بن گئے۔ اور اس عورت کی بہنیں ان کی خالائیں بن گئیں۔ اور اس عورت کا جیٹھ دیور ان بچوں کے رضاعی چچا بن گئے۔ اور اس عورت کے شوہر کی بہنیں ان بچوں کی پھوپھیاں بن گئیں۔ اور باہم ان سب میں حرمت رضاعت ثابت ہو گئی نسب کے رشتہ سے جو نکاح آپس میں حرام ہے۔ رضاع کے رشتہ سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ (بخاری) اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے۔

ان اللہ حرم من الرضاعۃ ما حرم من النسب (بحوالہ مشکوٰۃ ۲۷۳)

مسئلہ : اگر ایک لڑکے ایک لڑکی نے کسی کا دودھ پیا تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رضاعی بھائی اور رضاعی بہن کی لڑکی سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ : رضاعی بھائی یا رضاعی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے اور نسبی بہن کی رضاعی ماں سے بھی حلال ہے۔ اور رضاعی بہن کی نسبی بہن سے بھی اور نسبی بہن کی رضاعی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔

مسئلہ : اگر مرد کے دودھ نکل آئے تو اس سے حرمت رضاع ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ : اگر دودھ پینے کا شک ہو تو اس سے حرمت رضاع ثابت نہیں ہوتی۔ اگر کسی عورت نے کسی بچے کے منہ میں پستان دیا۔ لیکن دودھ جانے کا یقین نہ ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی اور نکاح کی حلت پر اس کا اثر نہ پڑے گا۔

مسئلہ : اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا اور کسی اور عورت نے کہا کہ

میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اگر دونوں اس کی تصدیق کریں۔ تو نکاح کے فاسد ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے گا۔ اور اگر یہ دونوں اس کی تکذیب کریں۔ اور عورت دیندار خدا ترس ہو تو فساد نکاح کا فیصلہ نہ ہو گا۔ لیکن طلاق دے کر مفارقت کر لینا پھر بھی افضل ہے۔

مسئلہ : حرمت رضاع کے ثبوت کے لیے دو دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہو گی۔ لیکن چونکہ معاملہ حرام و حلال سے متعلق ہے۔ اس لیے احتیاط کرنا افضل ہے۔ حتیٰ کہ بعض فقہاء نے یہ تفصیل لکھی ہے کہ اگر کسی عورت سے نکاح کرنا ہو اور ایک دیندار مرد گواہی دے کہ یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں۔ تو نکاح کرنا جائز نہیں' اور اگر نکاح کے بعد ہو تو احتیاط جدا ہونے میں ہے' بلکہ اگر ایک عورت بھی کہہ دے۔ تب بھی احتیاط اسی میں ہے کہ مفارقت اختیار کر لیں۔

مسئلہ : منہ یا ناک کے ذریعہ ایام رضاع میں دودھ اندر جانے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر اور کسی راستہ سے دودھ اندر پہنچا دیا جائے۔ یا دودھ کا انجکشن دے دیا جائے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہو گی۔

مسئلہ : عورت کے دودھ کے علاوہ کسی اور دودھ (مثلاً چوپائے کا دودھ یا کسی مرد سے) سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ : دودھ اگر دواء میں۔ یا بکری' گائے' بھینس کے دودھ میں ملا ہوا ہو تو اس سے حرمت رضاعت اس وقت ثابت ہو گی۔ جب کہ عورت کا دودھ غالب ہو۔ اور اگر دونوں برابر ہوں تب بھی حرمت رضاع ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر عورت کا دودھ کم ہے تو یہ حرمت ثابت نہ ہو گی۔

مسئلہ : جس طرح دو دیندار مردوں کی گواہی سے حرمت رضاع ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح ایک دیندار مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی اس کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اگر نصاب شہادت پورا نہ ہو تب بھی شک سے بچنے کے لیے حرمت کو ترجیح دی جائے۔

مسئلہ : بیویوں کی مائیں بھی شوہروں پر حرام ہیں۔ اس میں بیویوں کی نانیاں دادیاں نسبی ہوں یا رضاعی سب داخل ہیں۔

مسئلہ : جس طرح منکوحہ بیوی کی ماں حرام ہے۔ اسی طرح اس عورت کی ماں بھی حرام ہے۔ جس کے ساتھ شبہ میں ہم بستری کی ہو یا جس کے ساتھ زنا کیا ہو یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے۔

مسئلہ : نفس نکاح ہی سے بیوی کی ماں حرام ہو جاتی ہے حرمت کے لیے دخول وغیرہ ضروری نہیں۔ جس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہم بستری بھی کی تو اس عورت کی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہے۔ اسی طرح اس کی پوتی، نواسی حرام ہو گئیں۔ ان سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر ہم بستری نہیں کی۔ صرف نکاح ہو تو صرف نکاح سے مذکورہ قسمیں حرام نہیں ہو جاتیں۔ لیکن نکاح کے بعد اگر اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کے اندام نہانی کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ بھی ہم بستری کے حکم میں ہے۔ اس سے بھی اس عورت کی لڑکی وغیرہ حرام ہو جاتی ہے۔

مسئلہ : اس عورت کی لڑکی، پوتی اور نواسی بھی حرام ہو گئیں جس کے ساتھ شبہ میں ہمبستری ہو یا اس کے ساتھ زنا کیا ہو بیٹے کی بیوی حرام ہے۔ اور بیٹے کے عموم میں پوتا۔ نواسا بھی داخل ہیں۔ لہٰذا ان کی بیویوں سے نکاح جائز نہیں ہو گا۔ (متبنّٰی (لے پالک) کی بیوی سے نکاح حلال ہے۔ اور رضاعی بیٹا بھی نسبی بیٹے کے حکم میں ہے۔ لہٰذا اس کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ حقیقی بہنیں ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی، نسب کے اعتبار سے ہو یا رضاعی بہنیں ہوں۔ یہ حکم سب کو شامل ہے۔ البتہ طلاق ہو جانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے۔ لیکن یہ جواز عدت گزرنے کے بعد ہے۔ عدت کے دوران نکاح جائز نہیں ہے۔

مسئلہ : جس طرح ایک ساتھ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی کسی ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْءَۃِ وَعَمَّتِہَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْءَۃِ وَخَالَتِہَا (بخاری و مسلم)

مسئلہ : فقہائے کرام نے بطور قاعدہ کلیہ یہ لکھا ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں جن میں سے اگر کسی ایک کو مذکر فرض کیا جائے تو شرعاً ان دونوں کا آپس میں نکاح درست نہ ہو اس طرح کی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

(سورہ نساء آیت ۲۳) معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۵۷ تا ۳۶۲

مسئلہ : اگر کوئی کافر عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہے۔ تو تین حیض گذرنے کے بعد وہ اس کے نکاح سے جدا ہو جائے گی۔

مسئلہ : اور اگر دارالاسلام میں کوئی کافر عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہو تو حاکم شرع اس کے شوہر پر اسلام پیش کرے اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے۔ اور یہ تفریق طلاق شمار ہو گی۔ اس کے بعد عدت گذار کر وہ عورت کسی مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے۔ (سورہ نساء آیت ۲۴)

(معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۶۳)

نکاح کے بارے میں ضروری حکم

مسئلہ : نکاح ایک ایسا معاملہ ہے۔ جس میں اگر زوجین کی طبائع میں موافقت نہ ہو تو مقاصد نکاح میں خلل آتا ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں خلل آتا ہے۔ باہمی جھگڑے نزاع پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے شریعت میں کفائت یعنی باہمی مماثلت کی رعایت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی اعلیٰ خاندان کا آدمی اپنے سے کم خاندان والے آدمی کو رذیل یا ذلیل سمجھے ذلت و عزت کا اصل مدار اسلام میں تقویٰ اور دینداری ہے۔ جس میں یہ چیز نہیں اس کو خاندانی شرافت کتنی بھی حاصل ہو اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ نکاح میں کفائت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت رہے۔ لیکن کوئی دوسری اہم مصلحت اس کفایت سے بڑھ کر سامنے آجائے۔ تو عورت اور اس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفو میں نکاح کر لینا

جائز ہے۔

(سورۃ الاحزاب آیت ۴۷) ملخصاً معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۱۵۱ تا ۱۵۲۔

زوجین کے درمیان عمر کے تناسب کی رعایت بہتر ہے

مسئلہ : ہم عمری کی وجہ سے طبیعتوں میں زیادہ مناسبت اور توافق ہوگا اور ایک دوسرے کی راحت و دلچسپی کا خیال زیادہ رکھا جاسکے گا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زوجین کے درمیان عمر میں تناسب کی رعایت رکھنی چاہئے کیونکہ اس سے باہمی انس پیدا ہوتا ہے۔ اور رشتہ نکاح زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہو جاتا ہے۔

(سورہ ص آیت ۵۲) معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۵۲۷

نکاح کے متعلق مزید احکام

مسئلہ : کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیح سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے' تو مطلقہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں' وہ فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ ہاتھ لگانے سے مراد صحبت اور صحبت کا حقیقی حکمی ہونا اور دونوں کا ایک حکم ہونا معلوم ہو چکا ہے اور صحبت حکمی خلوت صحیح سے ہو جاتا ہے دوسرا حکم یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو شرافت اور حسن خلق کے ساتھ کچھ سامان دے کر رخصت کیا جائے' کچھ سامان دے کر رخصت دینا ہر مطلقہ کے لیے مستحب و مسنون ہے۔ اور بعض صورتوں میں واجب ہے جس کی تفصیل خلاصہ تفسیر میں گذر چکی ہے۔ اور سورہ بقرہ کی آیت لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ کے تحت گذر چکی ہے۔ اور ان الفاظ قرآنی میں لفظ متاع اختیار فرمانا شاید اس حکمت سے ہو کہ یہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے ہر اس چیز کے لیے جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس میں عورت کے حقوق واجبہ مہر وغیرہ بھی شامل ہیں کہ اگر اب تک مہر نہ دیا گیا ہو تو طلاق کے وقت خوش دلی سے ادا کر دیں اور غیر واجب حقوق مثلاً مطلقہ کو رخصت کے وقت کپڑوں کا

ایک جوڑا دے کر رخصت کرنا یہ بھی داخل ہے جو ہر مطلقہ عورت کو دینا مستحب ہے۔ (کذافی المبسوط المحیط، روح) امام حدیث عبد بن حمید نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ یعنی متاع و سامان دینا ہر مطلقہ کے لیے ہے۔ خواہ اس کے ساتھ خلوت صحیح ہوئی یا نہ ہوئی ہو اور اس کا مہر حق ہو یا نہ ہو۔

(سورہ احزاب آیت ۴۹)(معارف القرآن حصہ ہفتم ۱۸۰ تا ۱۸۱)

چار سے زیادہ عورتوں کو بیک وقت جمع کرنا حرام ہے

مسئلہ: اسلام نے تعداد ازدواج پر پابندی لگائی اور چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا اور جو عورتیں ایک ہی وقت میں نکاح کے اندر ہیں ان میں مساوات حقوق کا نہایت مؤکد حکم اور اس کی خلاف ورزی پر وعید شدید سنائی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ معارف القرآن ج ۲ ص ۲۸۷ تا ۲۸۸ (سورۃ النساء آیت ۳)

کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہو سکتا ہے

مسئلہ: اس معاملہ میں بعض لوگوں نے تو اس لیے شبہ کیا ہے کہ جنات کو انسان کی طرح توالد و تناسل کا اہل نہیں سمجھا ابن عربی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ خیال باطل ہے۔ احادیث صحیحہ سے جنات میں توالد و تناسل اور مرد و عورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں ہیں۔ جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہے۔ دوسرا سوال شرعی حیثیت سے ہے کہ کیا عورت جنیہ کسی انسان مرد کے لیے نکاح کر کے حلال ہو سکتی ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بہت حضرات نے جائز قرار دیا ہے۔ بعض نے غیر جنس مثل جانوروں کے ہونے کی بناء پر حرام فرمایا ہے۔

(سورۃ النمل آیت ۲۳)(معارف القرآن ۵۷۳ ج ۶)

○☆○

متعہ کے متعلق مسائل

مسئلہ : نکاح متعہ کی طرح نکاح موقت بھی حرام اور باطل ہے۔ نکاح موقت یہ ہے کہ ایک مقررہ مدت کے لیے نکاح کیا جائے۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ متعہ میں لفظ متعہ بولا جاتا ہے۔ اور نکاح موقت لفظ نکاح سے ہوتا ہے۔

(سورہ نساء آیت ۲۴)(معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۶۸)

کافر کی بیوی کے مسلمان ہو جانے کا حکم

مسئلہ : جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہو گئی تو کافر سے خود بخود اس کا نکاح فسخ ہو گیا۔ یہ اس کے لیے اور وہ اس کے لیے حرام ہو گئے۔ اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپسی سے مستثنیٰ کرنے کی ہے کہ اب وہ اس کے شوہر کافر کیلئے حلال نہیں رہی۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جانا آیت مذکورہ (سورۃ الممتحنہ آیت ۱۰) سے معلوم ہو چکا لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہو گا۔ اس کے متعلق امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کر دے تو اب دونوں میں فرقت کی تکمیل ہو گئی۔ اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی ہو' دارالکفر یا دارالحرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو شوہر سے اسلام کے لیے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہو گی جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جا سکے۔ اس لیے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اس وقت ہو گی جب یہ عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے یا مسلمانوں کے لشکر میں

آجائے۔ اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہو جائے یعنی ایک دارا لکفر میں ہے دوسرا دارالاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کے لیے آزاد ہو جاتی ہے۔

(سورۃ الممتحنہ آیت ۱۰)(معارف القرآن ص ۴۰۴ ج ۸)

بیوی کا نفقہ ضروریہ شوہر کے ذمہ ہے

ضروریات زندگی بیوی کی مرد کے ذمہ ہیں۔ ان کے حصول میں جو محنت و مشقت ہو اس کا تنہا ذمہ دار مرد ہے۔ حضرت آدم اور حوا زمین پر اتارے گئے تو ان ضروریات زندگی کی تحصیل میں جو کچھ محنت مشقت اٹھانا پڑی وہ حضرت آدم علیہ السلام پر پڑی۔ کیونکہ حوا کا نفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنا ان کے ذمہ تھی۔

نفقہ واجبہ صرف چار چیزیں ہیں

قرطبی نے فرمایا کہ عورت کا جو نفقہ مرد کے ذمہ ہے وہ صرف چار چیزیں ہیں کھانا پینا۔ لباس اور مسکن اس سے زائد جو کچھ شوہر اپنی بیوی پر خرچ کرتا ہے۔ وہ تبرع و احسان ہے۔ واجب و لازم نہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ۔

مسئلہ : زوجہ کا نفقہ شوہر کی حیثیت کے مناسب ہونا چاہئے یا زوجہ کی

مسئلہ : اس پر تو اتفاق ہے کہ میاں بیوی دونوں امیر مالدار ہوں تو نفقہ امیرانہ واجب ہو گا اور دونوں غریب ہوں تو نفقہ غریبانہ واجب ہو گا۔ اور دونوں غریب ہوں تو نفقہ غریبانہ واجب ہو گا۔ البتہ جب دونوں کے حالات مالی مختلف ہوں تو اس میں فقہاء کا

خلاف ہے۔ صاحب ہدایہ نے خصافؒ کے اس قول پر فتویٰ دیا ہے کہ اگر عورت غریب اور مرد مالدار ہو تو اس کا نفقہ درمیانہ حیثیت کا دیا جائے گا کہ غریبوں سے زائد' مالداروں سے کم۔ اور کرخیؒ کے نزدیک اعتبار شوہر کے حال کا ہوگا۔ فتح القدیر میں بہت سے فقہاء کا فتویٰ اس پر نقل کیا ہے واللہ علم (فتح القدیر ص ۳۲۲ ج ۳) معارف ص ۵۸۱ جلد اول

بیوی کی سکونت شوہر کے تابع ہے

مسئلہ : اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اس آیت میں دو مسئلوں کی طرف اشارہ ہے۔ اول یہ کہ بیوی کے لیے رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے۔ دوسرے یہ کہ سکونت میں بیوی شوہر کے تابع ہے۔ جس مکان میں شوہر رہے اس میں اس کو رہنا چاہئے۔

(البقرہ آیت ۳۵ معارف القرآن جلد اول ص ۱۹۳

بیوی کے علاوہ جس کسی کا نفقہ شریعت نے کسی شخص کے ذمہ عائد کیا ہے۔ اس میں بھی چار چیزیں اس کے ذمہ واجب ہوتی ہیں جیسے ماں باپ کا نفقہ اولاد کے ذمہ جب کہ وہ محتاج اور معذور ہوں۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۷)

معارف القرآن حصہ ششم ص ۱۵۷

زوجین کے جھگڑے میں دوسروں کا دخل بلا ضرورت مناسب نہیں

میاں بیوی کے معاملات میں بہتر یہ ہے کہ کوئی تیسرا دخیل نہ ہو یہ دونوں آپس میں خود ہی کوئی بات طے کرلیں کیونکہ تیسرے کے دخل دینے سے بعض اوقات تو مصالحت ہی ناممکن ہو جاتی ہے۔ اور ہو بھی جائے تو طرفین کے عیوب تیسرے آدمی کے سامنے بلاوجہ آتے ہیں جس سے بچنا دونوں کے لیے مصلحت ہے۔

(سورہ نساء آیت ۱۲۷) (معارف القرآن ص ۵۱۳ ج ۲)

○☆○

گنہگار بیوی بچوں سے بیزاری اور بغض نہیں چاہئے

علماء نے اس آیت[1] سے استدلال کیا ہے کہ اہل وعیال سے کوئی کام خلاف شرع بھی ہو جائے تو ان سے بیزار ہو جانا اور ان سے بغض رکھنا یا ان کے لیے بددعا کرنا مناسب نہیں۔ (معارف القرآن ج ۸ ص ۴۷۰)

لڑکی کی پیدائش کوئی ذلّت نہیں

مسئلہ : گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو مصیبت و ذلت سمجھنا جائز نہیں یہ کفار کا فعل ہے۔ تفسیر روح البیان میں بحوالہ شرعی لکھا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ لڑکی پیدا ہونے سے زیادہ خوشی کا اظہار کردے تاکہ اہل جاہلیت کے فعل پر رد ہو جائے اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کے پہلے پیٹ سے لڑکی پیدا ہو۔

(سورہ نحل آیت ۵۹) معارف القرآن ص ۳۴۴ ج ۵

بیوی اور اولاد کی تعلیم و تربیت ہر مسلمان پر فرض ہے

حضرات فقہاءؒ نے فرمایا کہ اس آیت[2] سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال و حرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کے لیے کوشش کرے۔ ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جو کہتا ہے کہ اے میرے بیوی بچو، تمہاری نماز، تمہارا روزہ، تمہاری زکوٰۃ، تمہارا مسکین، تمہارا یتیم اور تمہارا پڑوسی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ان کے ساتھ جنت میں جمع فرمائیں گے۔ تمہاری نماز تمہارا روزہ وغیرہ فرمانے کا مطلب یہ

---

[1] التغابن آیت ۱۴

[2] یایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا (التحریم آیت ۶)

ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھو اس میں غفلت نہ ہونے پائے اور مسکینکم یتیمکم وغیرہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں ان کو خوشی اور پابندی سے ادا کرو اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل و عیال دین سے جاہل اور غافل ہوں۔

(روح)(سورۃ التحریم آیت ۶) معارف القرآن ص ۳ تا ۵ ج ۸

اولاد سے خطا ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہئے

مسئلہ: اولاد سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو باپ کو چاہئے کہ تربیت کرکے ان کی اصلاح کی فکر کرے اور جب تک اصلاح کی امید ہو قطع تعلق نہ کرے ہاں اگر اصلاح سے مایوسی ہو جائے اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے میں دوسروں کے دین کا ضرر محسوس ہو پھر قطع تعلق کر لینا انسب ہے۔ (سورہ یوسف آیت ۲۶) (معارف القرآن ص ۹۳ ج ۵)

تخصیص کے ساتھ بیوی کا ذکر عام مجالس میں نہ کرنا بلکہ کنایہ سے کام لینا بہتر ہے

مسئلہ: لفظ اھل عام ہے جس میں بیوی اور گھر کے دوسرے افراد بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس مقام میں اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تنہا اہلیہ محترمہ ہی تھیں کوئی دوسرا نہ تھا۔ مگر تعبیر میں یہ عام لفظ استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ پایا گیا کہ مجالس میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا ذکر کرے تو عام لفظوں سے کرنا بہتر ہے۔ جیسے ہمارے عرف میں کہا جاتا ہے۔ میرے گھر والوں نے یہ کہا ہے۔

(سورہ النمل آیت ۷) معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۶۱

○☆○

غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے

مسئلہ : وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ لفظ من ازواجکم میں حرف من اصطلاحی الفاظ میں بیانیہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہو گا کہ تمہاری خواہش کے لیے جو اللہ نے بیویاں پیدا فرمائی ہیں۔ تم ان کو چھوڑ کر اپنے ہم جنس مردوں کو اپنی شہوت نفس کا نشانہ بناتے ہو جو خباثت نفسی کی دلیل ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حرف من کو تبعیض کے لیے قرار دیں تو اشارہ اس طرف ہو گا کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام تمہارے لیے بنایا گیا اور جو امر فطری ہے اس کو چھوڑ کر بیویوں سے خلاف فطرت عمل کرتے ہو جو کہ قطعاً حرام ہے۔ غرض اس دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ اپنی زوجہ سے خلاف فطرت عمل حرام ہے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔ نعوذ باللہ منہ (کذافی الروح)

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ

اس آیت سے ثابت ہوا کہ لوطی پر دیوار گرانے یا بلند مقام سے نیچے پھینکنے کی تعزیر جائز ہے۔ جیسے حنفیہ کا مسلک ہے کیونکہ قوم لوط اسی طرح ہلاک کی گئی تھی کہ ان کی بستیوں کو اوپر اٹھا کر الٹا زمین پر پھینک دیا گیا تھا۔ (شامی کتاب الحدود)

(سورہ الشعراء آیت ۱۶۶) (معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۳۲)

غیر فطری طریقہ سے قضاء شہوت کا حکم

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک "اَلَّذَانِ يَاْتِيَانِهَا" کا مصداق وہ لوگ ہیں۔ جو غیر فطری طریقہ پر قضاء شہوت کرتے ہیں۔ یعنی مراد استلذاذ بالمثل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

(سورہ نساء آیت ۱۶) معارف القرآن جلد دوم ص ۳۳۸

○☆○

استمناء بالید کے احکام

اکثر فقہاء رحمہم اللہ نے استمناء بالید یعنی اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کر لینے کو بھی اس کے عموم ¹ میں داخل قرار دے کر حرام قرار دیا ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاءؒ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا مکروہ ہے۔ میں نے سنا ہے کہ محشر میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے۔ جن کے ہاتھ حاملہ ہونگے میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کرتے ہیں اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم پر عذاب نازل فرمایا جو اپنے ہاتھوں سے اپنی شرمگاہوں سے کھیلتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون من نکح یدہ یعنی جو اپنے ہاتھ سے نکاح کرے وہ ملعون ہے سند اس کی ضعیف ہے (مظہری) (سورۃ المعارج آیت ۳۱) (معارف القرآن ج ۸ ص ۵۵۸)

حالت حیض میں صحبت نہ کرنے کا حکم

(۱) اگر غلبہ شہوت سے حالت حیض میں صحبت ہوگئی تو خوب توبہ کرنا واجب ہے اور کچھ خیرات بھی دے دے تو زیادہ بہتر ہے۔

(۲) پیچھے کے مواقع میں اپنی بی بی سے بھی صحبت کرنا حرام ہے۔

(۳) اگر کوئی قسم کھائے کہ اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گا اس کی چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی مدت معین نہ کرے دوم یہ کہ چار مہینے کی مدت کی قید لگائے سوم یہ کہ چار ماہ سے کم مدت کی قید لگائے پس صورت اول، دوم اور سوم کو شرع میں ایلاء کہتے ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ ڈالے اور بیوی کے پاس چلا جائے تو قسم کا کفارہ دے اور نکاح باقی ہے اور اگر چار ماہ گزر گئے اور قسم نہ توڑی تو اس عورت پر قطعی طلاق پڑ گئی یعنی بلا نکاح رجوع کرنا درست نہ رہا البتہ اگر دونوں رضامندی سے پھر

---

¹ سورۃ المعارج آیت ۱۱

نکاح کرلیں تو درست ہے حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے اگر قسم توڑے تو کفارہ لازم ہوگا۔ اور اگر قسم پوری کرلی جب بھی نکاح باقی ہے (بیان القرآن)

(سورہ بقرہ آیت ۲۲۲') معارف القرآن ص ۵۴۶' ۵۴۷ ج ۱

باب

الطّلاق

تین طلاق ایک ساتھ دینے کا حکم

مسئلہ : شریعت و سنت کی نظر میں اصل یہی ہے کہ کوئی آدمی اگر طلاق دینے پر مجبور ہی ہو جائے تو صاف و صریح لفظوں میں ایک طلاق رجعی دے دے تاکہ عدت تک رجعت کا حق باقی رہے ایسے الفاظ نہ بولے جس سے فوری طور پر تعلق زوجیت منقطع ہو جائے جس کو طلاق بائن کہتے ہیں اور نہ تین طلاق تک پہنچے جس کے بعد آپ میں نکاح جدید بھی حرام ہو جائے۔

مسئلہ : تین چیزوں میں حکم شرعی یہ ہے کہ دو مرد و عورت اگر بلا قصد نکاح ہنسی ہنسی میں گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب و قبول کریں تو بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر بلا قصد ہنسی ہنسی میں صریح طور پر طلاق دے دے تو طلاق ہو جاتی ہے۔ یا رجعت کرے تو رجعت ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی کسی غلام یا باندی کو ہنسی ہنسی میں آزاد کرنے کو کہہ دے تو غلام باندی آزاد ہو جاتے ہیں۔ ہنسی مذاق میں کوئی عذر مانا نہیں جاتا۔

مسئلہ : مطلقہ عورتوں کو اپنی مرضی کی شادی کرنے سے بلاوجہ شرعی روکنا حرام ہے۔(سورہ بقرہ آیت ۲۳۱،۲۳۲) دلائل کیلئے ملاحظہ فرمایئے۔

تفسیر معارف القرآن ج ا ص ۵۷۷ تا ۵۷۸)

مسئلہ : جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہے تو طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق حالت طہر میں دے دے جس میں مجامعت نہ کی ہو اور یہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے عدت ختم ہونے کے ساتھ ہی رشتہ نکاح خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ اس کو فقہاء نے طلاق احسن کہا ہے اور حضرات صحابہؓ نے اسی کو طلاق کا بہتر طریقہ قرار دیا ہے۔

مسئلہ : اگر کسی نے غیر مستحسن یا غیر مشروع طریقہ سے تین طلاق دے دیں تو تین طلاق واقع ہو جائیں گی رجعت اور نکاح جدید کا اختیار بھی سلب ہو جائے گا۔(سورہ بقرہ آیت ۲۳۳) دلائل کیلئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر معارف القرآن جلد اول ص ۵۵۹ تا ۵۶۹)

باب

الرّضاعت

رضاعت کے متعلق مسائل

دودھ پلانا ماں کے ذمہ واجب ہے

دودھ پلانا دیانۃً ماں کے ذمہ واجب ہے بلاعذر کسی ضد یا ناراضی کے سبب دودھ نہ پلائے تو گنہگار ہوگی، اور دودھ پلانے پر وہ شوہر سے کوئی اجرت و معاوضہ نہیں لے سکتی۔ جب تک وہ اس کے اپنے نکاح میں ہے۔ کیونکہ وہ اس کا اپنا فرض ہے۔

پوری مدت رضاعت

پوری مدت رضاعت دو سال ہے۔ جب تک کوئی خاص عذر مانع نہ ہو بچے کا حق ہے کہ یہ مدت پوری کی جائے۔ اس کے بعد دودھ نہ پلایا جائے۔ البتہ بعض آیات قرآن اور احادیث کی بناء پر امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر تیس مہینے یعنی ڈھائی سال کے عرصہ میں بھی دودھ پلا دیا تو احکام رضاعت کے ثابت ہو جائیں گے۔ اور اگر بچے کی کمزوری وغیرہ کے عذر سے ایسا کیا گیا تو گناہ بھی نہ ہوگا۔ ڈھائی سال پورے ہونے کے

بعد بچہ کو ماں کا دودھ پلانا باتفاق حرام ہے۔

بچے کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ اور ماں کا نان و نفقہ و ضروریات باپ کے ذمہ ہیں

بچے کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ ہے لیکن ماں کا نان و نفقہ اور ضروریات زندگی باپ کے ذمہ ہے اور یہ ذمہ داری جس وقت تک بچے کی ماں اس کے نکاح میں یا عدت میں ہے اس وقت تک ہے اور طلاق اور عدت پوری ہونے کے بعد نفقہ زوجیت تو ختم ہو جائے گا۔ مگر بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ دینا باپ کے ذمہ پھر بھی لازم رہے گا (مظہری)

مسئلہ: عورت جب تک نکاح میں ہے تو اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتی طلاق و عدت کے بعد کر سکتی ہے

اگر بچے کی ماں دودھ پلانے کی اجرت مانگتی ہے تو جب تک اس کے نکاح یا عدت کے اندر ہے اجرت کے مطالبہ کا حق نہیں۔ یہاں اس کا نان نفقہ جو باپ کے ذمہ ہے وہی کافی ہے۔ اور اگر طلاق کی عدت گذر چکی ہے اور نفقہ کی ذمہ داری ختم ہو چکی ہے اب اگر یہ مطلقہ بیوی اپنے بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ باپ سے طلب کرتی ہے۔ تو باپ کو دینا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے خلاف کرنے میں ماں کا نقصان ہے۔ شرط یہ ہے کہ یہ معاوضہ اتنا ہی طلب کرے کہ جتنا کوئی دوسری عورت لیتی ہے۔ زائد کا مطالبہ کرے گی تو باپ کو حق ہوگا کہ اس کی بجائے کسی انا کا دودھ پلوائے۔

یتیم بچے کے دودھ پلوانے کی ذمہ داری کس پر ہے؟

مسئلہ: اگر باپ زندہ نہ ہو تو بچے کو دودھ پلانے یا پلوانے کا انتظام اس شخص پر ہے جو بچے کا جائز وارث اور محرم ہو۔ یعنی اگر بچہ مرجائے تو جن کو اس کی وراثت پہنچتی ہے وہی باپ نہ ہونے کی حالت میں اس کے نفقہ کے ذمہ دار ہونگے۔ اگر ایسے وارث کئی ہوں تو ہر ایک پر بقدر میراث اس کی ذمہ داری عائد ہوگی، امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ

یتیم بچے کو دودھ پلوانے کی ذمہ داری وارث پر ڈالنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ بچے کا خرچہ دودھ چھڑانے کے بعد بھی وارثوں پر ہوگا۔ کیونکہ دودھ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ مقصود بچے کا گذارہ ہے مثلاً اگر یتیم بچے کی ماں اور دادا زندہ ہیں تو یہ دونوں اس بچے کے محرم بھی ہیں اور وارث بھی۔ اس لیے اس کا نفقہ ان دونوں پر بقدر حصہ میراث عائد ہوگا۔ یعنی ایک تہائی خرچہ ماں کے ذمہ اور دو تہائی دادا کے ذمہ ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یتیم پوتے کا حق دادا پر اپنی بالغ بیٹوں سے بھی زیادہ ہے کیونکہ بالغ اولاد کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں۔ اور یتیم پوتے کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے ہاں میراث میں بیٹوں کے موجود ہوتے ہوئے بعید کو دینا معقول بھی نہیں اور صحیح بخاری کی حدیث لا ولی رجل ذکر کے بھی خلاف ہے البتہ دادا کو یہ حق ہے کہ اگر ضرورت سمجھے تو یتیم پوتے کے لیے کچھ وصیت کر جائے اور یہ وصیت بیٹوں کے حصہ سے زائد بھی ہو سکتی ہے اسی طرح یتیم پوتے کی ضرورت کو بھی پورا کر دیا گیا اور وراثت کا اصول کہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو نہ دیا جائے یہ بھی محفوظ رہا۔

(البقرہ آیت ۲۳۳) معارف القرآن حصہ اول ص ۵۸۰ تا ۵۸۲

اکثر مدت حمل اور اکثر مدت رضاعت میں فقہاء کا اختلاف

ائمہ ثلاثہ اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمدؒ سب اس پر متفق ہیں کہ رضاعت کی مدت دو سال ہے صرف امام اعظم ابو حنیفہؒ سے یہ منقول ہے کہ ڈھائی سال تک بچہ کو دودھ پلایا جا سکتا ہے جس کا حاصل جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر بچہ کمزور ہو' ماں کے دودھ کے سوا کوئی غذا دو سال تک بھی نہ لیتا ہو تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی اجازت ہے۔ کیونکہ اس پر سب کو اتفاق ہے کہ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ماں کا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے۔ مگر حرمت رضاعت کے سلسلہ میں فتویٰ فقہائے حنفیہ کا بھی جمہور ائمہ کے مسلک پر ہے کہ دو سال کی مدت کے بعد اگر دودھ پلایا گیا۔ تو اس سے حرمت رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ سیدی حضرت حکیم الامتؒ نے بیان القرآن میں فرمایا' کہ اگرچہ فتویٰ جمہور کے قول پر ہے۔ مگر عمل میں

احتیاط کرنا بہتر ہے کہ ڈھائی سال کی مدت کے اندر جس بچہ کو دودھ پلایا گیا ہے اس سے مناکحت میں احتیاط برتی جائے۔

ملخصًا معارف القرآن حصہ ہشتم ص ۸۰۵ تا ۸۰۶

چار ماہ کے بعد اسقاط حمل قتل کے حکم میں ہے

مسئلہ : بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے اور چار ماہ کے بعد کسی حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے۔ کیونکہ چوتھے مہینے میں حمل میں روح پڑجاتی ہے۔ اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہے اسی طرح جو شخص کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ ساقط ہو جائے تو باجماع امت مارنے والے پر اس کی دیت میں غرہ یعنی ایک غلام یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے۔ اور اگر بطن سے باہر آنے کے وقت وہ زندہ تھا پھر مرگیا تو پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل بھی بدوں اضطراری حالات کے حرام ہے مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے یعنی اس میں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے۔

مسئلہ : کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے۔ جیسے آج کل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں صورتیں رائج ہو گئی ہیں اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واد خفی فرمایا ہے یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کردینا (کمارواہ مسلم عن حذامۃ بنت وھب) اور بعض دوسری روایات میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی اسطرح کے ہمیشہ کیلئے قطع نسل کی صورت نہ بنے (مظہری) آجکل ضبط تولید کے نام سے جو دوائیں یا معالجات کئے جاتے ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ ہمیشہ کیلئے سلسلہ نسل و اولاد کا منقطع ہو جائے اس کی کسی حال اجازت شرعاً نہیں ہے واللہ اعلم۔

(سورۃ التکویر آیت ۸) (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۸۲، ۶۸۳)

باب

العدت

عدت کے بعض احکام ومسائل

مسئلہ : جس کا خاوند مرجائے اس کو عدت کے اندر خوشبو لگانا' سنگھار کرنا' سرمہ اور تیل بلا ضرورت دوا لگانا' رنگین کپڑے پہننا درست نہیں۔ اور صریح گفتگوئے نکاح ثانی بھی درست نہیں' اور رات کو دوسرے گھر رہنا بھی درست نہیں۔ اور یہی حکم ہے۔ اس عورت کا جس پر طلاق بائن واقع ہوئی۔ یعنی جس میں رجعت درست نہیں' مگر اس کو اپنے گھر سے دن کو بھی بدون سخت مجبوری کے نکلنا درست نہیں۔

مسئلہ : اگر چاند رات کو خاوند کی وفات ہوئی تب تو یہ مہینے خواہ تیس کے ہوں خواہ انتیس کے ہوں' چاند کے حساب سے پورے کئے جاویں گے۔ اور اگر چاند رات کے بعد وفات ہوئی ہے۔ تو یہ سب مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کئے جاویں گے' پس کل ایک سو تیس دن پورے کریں گے' اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں۔ اور جس وقت وفات ہوئی ہو جب یہ مدت گزر کر وہی وقت آوے گا' عدت ختم ہو جاوے گی' اور یہ جو فرمایا کہ اگر عورتیں قاعدہ کے موافق کچھ کریں تو تم کو بھی گناہ نہ ہوگا' اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کوئی کام خلاف شرع کرے تو اوروں پر بھی واجب ہوتا ہے کہ بشرط قدرت اس کو روکیں' ورنہ یہ لوگ بھی گنہگار ہوتے ہیں۔ اور قاعدہ کے موافق سے یہ مراد ہے کہ جو نکاح تجویز ہو وہ شرعاً صحیح اور جائز ہو' تمام شرائط حلت کی وہاں جمع ہوں۔ (معارف القرآن حصہ اول ص ۵۸۵)

باب

احکام الستر والحجاب

زیور کی آواز غیر محرموں کو سنانا جائز نہیں

مسئلہ : شروع آیت میں عورتوں کو اپنی زینت غیر مردوں پر ظاہر کرنے سے منع فرمایا تھا۔ آخر میں اس کی مزید تاکید ہے کہ مواضع زینت سر اور سینہ وغیرہ کا چھپانا تو واجب تھا ہی۔ اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں زیور کے اندر خود کوئی چیز ایسی ڈالی جائے جس سے وہ بجنے لگے یا ایک زیور دوسرے زیور سے ٹکرا کر بجے یا پاؤں زمین پر اس طرح مارا جس سے زیور کی آواز نکلے اور غیر محرم مرد سنیں۔ یہ سب چیزیں اس آیت کی رو سے ناجائز ہیں۔ اور اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز غیر محرموں کو سنانا اس آیت سے ناجائز ثابت ہوا تو خود عورت کی آواز کا سنانا اس سے بھی زیادہ سخت اور بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ اس لیے عورت کی آواز کو بھی ان حضرات نے ستر میں داخل قرار دیا ہے۔ اور اسی بناء پر نوازل میں فرمایا کہ عورتوں کو جہاں تک ممکن ہو قرآن کی تعلیم بھی عورتوں ہی سے لینا چاہئے۔ مردوں سے تعلیم لینا بدرجہ مجبوری جائز ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نماز میں اگر کوئی سامنے سے گزرنے لگے تو مرد کو چاہئے کہ بلند آواز سے سبحان اللہ کہہ کر گذرنے والے کو متنبہ کردے مگر عورت

آواز نہ نکالے بلکہ اپنی ہتھیلی کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر اس کو متنبہ کرے۔

عورت کی آواز کا مسئلہ!

کیا عورت کی آواز فی نفسہ ستر میں داخل ہے۔ اور غیر محرم کو آواز سنانا جائز ہے؟

اس معاملے میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کی کتب میں عورت کی آواز کو ستر میں داخل نہیں کیا گیا۔ حنفیہ کے نزدیک بھی مختلف اقوال ہیں۔ ابن ہمام نے نوازل کی روایت کی بناء پر ستر میں داخل قرار دیا ہے۔ اسی لیے حنفیہ کے نزدیک عورت کی اذان مکروہ ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نزول حجاب کے بعد بھی پس پردہ غیر محارم سے بات کرتی تھیں۔ اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع اور جس محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے۔ جہاں یہ نہ ہو جائز ہے۔ (جصاص)

اور احتیاط اسی میں ہے کہ بلا ضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

خوشبو لگا کر باہر نکلنا

مسئلہ : اس حکم میں یہ داخل ہے کہ عورت جب بضرورت گھر سے باہر نکلے تو خوشبو لگا کر نہ نکلے کیونکہ وہ بھی اس کی مخفی زینت ہے۔ غیر محرم تک یہ خوشبو پہنچے تو ناجائز ہے۔ ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں خوشبو لگا کر باہر جانے والی عورت کو برا کہا گیا ہے۔

مزین برقع پہن کر نکلنا بھی ناجائز ہے

امام جصاصؒ نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز تک کو قرآن نے اظہار زینت میں داخل قرار دے کر ممنوع کیا ہے۔ تو مزین رنگوں کے کامدار برقعے پہن کر نکلنا بدرجہ اولیٰ

ممنوع ہوگا۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا چہرہ اگرچہ ستر میں داخل نہیں مگر زینت کا سب سے بڑا مرکز ہے، اس لیے اس کو بھی غیر محرموں سے چھپانا واجب ہے۔ الا بضرورت (جصاص) (سورۃ النور آیت ۳۱) معارف القرآن حصہ ششم ص ۴۰۶ تا ۴۰۷

عورت کی آواز کے بارے میں حکم

مسئلہ : عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں۔ لیکن اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگادی۔ اور تمام عبادات اور احکام میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا کلام جہری نہ ہو جو مرد سنیں، امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے۔ مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کی بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجادیں جس سے امام متنبہ ہو جائے زبان سے کچھ نہ کہیں،

مسئلہ : اگر بضرورت کبھی عورت کو گھر سے نکلنا ہی پڑے تو زینت کے اظہار کے ساتھ نہ نکلے بلکہ برقع یا جلباب جس میں پورا بدن ڈھک جائے وہ پہن کر نکلے۔ (سورہ احزاب آیت ۳۲) معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۱۳۲ تا ۱۳۳

ستر عورت کے احکام اور حجاب نساء میں فرق

مسئلہ : مرد و عورت کا وہ حصہ بدن جس کو عربی میں عورت اور اردو فارسی میں ستر کہتے ہیں جس کا چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے وہ ستر عورت یعنی اعضاء مستورہ کا چھپانا ہے۔ یہ فریضہ تو ابتداء آفرینش سے فرض ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرض رہا ہے۔ بلکہ شرائع کے وجود سے بھی پہلے جب جنت میں شجر ممنوعہ کھا لینے کے سبب حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا جنتی لباس اتر گیا۔ اور ستر کھل گیا۔ تو وہاں بھی آدم علیہ السلام نے ستر کھلا رکھنے کو جائز نہیں سمجھا۔ اسی لیے آدم و حوا دونوں نے جنت کے پتے اپنے ستر پر باندھ لیے۔ طَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ کا یہی مطلب

ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر پیغمبرو دین کی شریعت میں ستر چھپانا فرض رہا ہے۔ اعضاء مستورہ کی تعیین اور تحدید میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ ستر کہاں سے کہاں تک ہے۔ مگر اصل فرضیت ستر عورت کی تمام شرائع انبیاء میں مسلمہ ہے۔ اور یہ فرض ہر انسان مرد عورت پر فی نفسہٖ عائد ہے۔ کوئی دوسرا دیکھنے والا ہو یا نہ ہو اسی لیے اگر کوئی شخص اندھیری رات میں ننگا نماز پڑھے۔ حالانکہ ستر چھپانے کے قابل کپڑا اس کے پاس موجود ہو' تو یہ نماز بالاتفاق ناجائز ہے' حالانکہ اس کو ننگا کسی نے دیکھا نہیں (بحرالرائق) اسی طرح نماز اگر کسی ایسی جگہ پڑھی جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا نہیں اس وقت بھی اگر نماز میں ستر کھل گیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (کمافی عامۃ کتب الفقہ) خارج نماز لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں' لیکن خلوت میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود نہ ہو وہاں بھی صحیح قول یہی ہے کہ خارج نماز بھی بلا ضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے ستر کھول کر ننگا بیٹھنا جائز نہیں (کمافی البحرعن شرح المنیہ)۔

مسئلہ : یہ حکم تو ستر عورت کا تھا جو اول اسلام سے بلکہ اول آفرینش سے تمام شرائع انبیاء میں فرض رہا ہے۔ جس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ خلوت و جلوت میں بھی برابر ہیں جیسے لوگوں کے سامنے ننگا ہونا جائز نہیں' ایسے ہی خلوت و تنہائی میں بلا ضرورت ننگا رہنا جائز نہیں۔

مسئلہ : ستر عورت اور حجاب نساء یہ دو مسئلے الگ الگ ہیں۔ ستر عورت ہمیشہ سے فرض باقی ہے۔ حجاب نساء ۵ ہجری میں فرض ہوا۔ ستر عورت مرد و عورت دونوں پر فرض ہے۔ حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں' یہ تفصیل اس لیے لکھی گئی کہ ان دونوں مسئلوں کو خلط ملط کر دینے سے بہت شبہات مسائل اور احکام قرآن کے سمجھنے میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت سے باجماع مستثنیٰ ہیں۔ اسی لیے نماز میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں تو نماز بالاتفاق وباجماع جائز ہے۔ چہرہ اور ہتھیلیاں تو از روئے نص مستثنیٰ ہیں قدمین کو فقہاء نے ان پر قیاس کر کے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن پردہ میں بھی یہ اعضاء مستثنیٰ' ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک اب یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اجنبی مردوں سے عورت چہرہ اور ہتھیلیوں کو

بھی چھپائے۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے ص ۲۴۴ تا ۲۲۰ جلد ہفتم۔

مسئلہ : پردہ کا پہلا درجہ جو اصل مطلوب شرعی ہے وہ حجاب اشخاص بالبیوت ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں ـــــ لیکن شریعت اسلامیہ ایک جامع اور مکمل نظام ہے۔ جس میں انسان کی تمام ضروریات کی رعایت پوری کی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسی ضرورتیں پیش آنا ناگریز تھا۔ کہ وہ کسی وقت گھروں سے نکلیں اس کے پردہ کا دوسرا درجہ قرآن و سنت کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر سے پاؤں تک برقع یا لمبی چادر میں پورا بدن کو چھپا کر نکلیں۔ راستہ دیکھنے کے لیے چادر میں سے صرف ایک آنکھ کھولیں یا برقع میں جو جالی آنکھوں کے سامنے استعمال کی جاتی ہے وہ لگالیں ضرورت کے مواقع میں پردہ کا دوسرا انتظام بھی پہلے کی طرح سب علماء و فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے معارف القرآن حصہ ہفتم ۲۱۱ تا ۲۱۳۔

مسئلہ : پردہ کے احکام مذکورہ میں بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں مثلاً بعض مرد بھی یعنی محارم پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ اور بعض عورتیں مثلاً بہت بوڑھی وہ بھی پردہ کے عام حکم سے کسی قدر مستثنیٰ ہیں۔

(سورہ احزاب آیت ۵۳، ۲۲۰)

پردہ کی بعض استثنائی صورتیں

مسئلہ : اس میں علماء و فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ خاص استیذان اقارب کے لیے واجب ہے۔ یا استحبابی حکم ہے اور یہ کہ یہ حکم اب بھی جاری ہے۔ یا منسوخ ہو گیا جمہور فقہاء کے نزدیک یہ آیت محکم غیر منسوخ ہے۔ اور حکم وجوب کے لیے ہے۔ مردوں کے واسطے بھی عورتوں کے واسطے بھی (قرطبی)

مسئلہ : جو عورت بڑی بوڑھی ایسی ہو جائے کہ نہ اس کی طرف کسی کی رغبت ہو اور نہ وہ نکاح کے قابل ہو تو اس کے لیے پردہ کے احکام میں یہ سہولت دیدی گئی ہے کہ اجانب بھی اس کے حق میں مثل محارم کے ہو جاتے ہیں۔ جن اعضاء کا چھپانا اپنے

محرموں سے ضروری نہیں ہے۔ اس بوڑھی عورت کے لیے غیر مردوں غیر محرموں سے بھی ان کا چھپانا ضروری نہیں۔ اس لیے فرمایا۔ والقواعد من النساء التی الایۃ جس کی مختصر تفسیر اوپر گذر چکی ہے۔ مگر ایسی بڑی بوڑھی عورت کے لیے بھی ایک قید تو یہ ہے کہ جو اعضاء محرم کے سامنے کھولے جائیں یہ عورت غیر محرم کے سامنے بھی کھول سکتی ہے۔ بشرطیکہ بن سنور کر زینت کر کے نہ بیٹھے۔ دوسری بات آخر میں یہ فرمائی وان یستعففن خیر لھن یعنی اگر وہ غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے (سورۃ النور آیت ۵۹، ۶۰) معارف القرآن حصہ ششم ص ۴۴۶ تا ۴۴۸

مسئلہ: عورتوں سے اگر دوسرے مردوں کو کوئی استعمالی چیز برتن کپڑا وغیرہ لینا ضروری ہو تو سامنے آ کر نہ لیں بلکہ پیچھے سے مانگیں اور فرمایا کہ یہ پردہ کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے دلوں کو نفسانی وساوس سے پاک رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔
(سورہ احزاب آیت ۵) (معارف القرآن ص ۲۰۰ ج ۷)

مسئلہ: اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ اگر چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کا دیکھنا بھی جائز نہیں اور عورت کو ان کا کھولنا بھی جائز نہیں اسی طرح اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ستر عورت جو نماز میں اجماعاً اور خارج نماز علی الاصح فرض ہے۔ اس سے چہرہ اور ہتھیلیاں مستثنیٰ ہیں اگر ان کو کھول کر نماز پڑھی تو نماز بالاتفاق صحیح و درست ہو جائے گی۔ (سورۃ النور آیت ۳۱، ۳۲) معارف القرآن حصہ ششم ص ۴۰۰ تا ۴۰۲

مسئلہ: جن گھروں میں سے بغیر اجازت خاص کے کھانے پینے کی اجازت اس آیت میں دی گئی ہے۔ اس کی بناء اس پر ہے کہ عرب کی عام عادت کے مطابق ایسے قریبی رشتہ داروں میں کوئی تکلف بالکل نہ تھا۔ ایک دوسرے کے گھر سے کچھ کھاتے پیتے تو گھر والے کو کسی قسم کی تکلیف یا ناگواری نہ ہوتی تھی بلکہ وہ اس سے خوش ہوتا تھا۔ اسی طرح اس سے بھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی معذور یا بیمار، مسکین کو بھی کھلا دے ان سب چیزوں کی گو صراحۃً اجازت نہ دی ہو۔ مگر عادۃً اجازت تھی۔ اس علت جواز سے ثابت ہوا کہ جس زمانے یا جس مقام میں ایسا رواج نہ ہو اور مالک کی اجازت مشکوک ہو وہاں بغیر صریح اجازت مالک کے کھانا پینا حرام ہے۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر نہ یہ عادت

رہی نہ کوئی اس کو گوارہ کرتا ہے کہ کوئی عزیز قریب جوان کے گھر میں چاہے کھائے پیئے یا دوسروں کو کھلائے پلائے اس لئے آج کل عام طور پر اس اجازت پر عمل کرنا جائز نہیں بجز اس کے کہ کسی دوست عزیز کے متعلق کسی کو یقینی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس کے کھانے پینے یا دوسروں کو کھلانے پلانے سے کوئی تکلیف یا ناگواری محسوس نہ کرے گا بلکہ خوش ہوگا تو خاص اس کے گھر سے کھانے پینے میں اس آیت کے مقتضٰی پر عمل جائز ہے۔

مسئلہ : یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ بلکہ حکم اول سے آج تک جاری ہے۔ البتہ شرح اس کی مالک کی اجازت کا یقین ہے۔ جب یہ نہ ہو تو وہ مقتضائے آیت میں داخل ہی نہیں۔ (مظہری)

مسئلہ : اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حکم صرف ان مخصوص رشتہ داروں ہی میں منحصر نہیں بلکہ دوسرے شخص کے بارے میں اگر یہ یقین ہو کہ اس کی طرف سے ہمارے کھانے پینے اور کھلانے پلانے کی اجازت ہے' وہ اس سے خوش ہوگا' اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (مظہری)۔ احکام مذکورہ کا تعلق ان کاموں سے ہے جو کسی کے گھر میں باجازت داخل ہونے کے بعد جائز یا مستحب ہیں ان کاموں میں بڑا مسئلہ : کھانے پینے کا تھا۔ اس کو پہلے ذکر فرما دیا۔

مسئلہ : گھر میں داخل ہونے کے آداب یہ ہیں کہ جب گھر میں باجازت داخل ہو تو گھر میں جو مسلمان ہوں ان کو سلام کرو۔ آیت علیٰ انفسکم سے یہی مراد ہے کیونکہ مسلمان سب ایک جماعت متحد ہیں۔ (سورۃ النور آیت ۶۱) (معارف القرآن حصہ ششم ص ۴۵۱ تا ۴۵۳)

باب

الایمان والنذر

قسم دے کر کسی کو مجبور کرنا

مسئلہ : کسی شخص کو ایسی قسم دینا نہیں چاہیے جس کا پورا کرنا بالکل اس کے قبضہ میں نہ ہو جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو صحیح و سالم واپس لانے کی قسم دی تو اس میں اس حالت کو مستثنیٰ کر دیا کہ یہ بالکل عاجز و مجبور ہو جائیں یا خود بھی سب ہلاکت میں پڑ جائیں۔ (سورۂ یوسف آیت ۶۶) (معارف القرآن ج ۵ ص ۹۳)

نذر و منّت کے بعض احکام

مسئلہ : نذر (منّت) کے منعقد ہونے کے لیے چند شرائط ہیں۔ اول یہ کہ جس کام کی نذر مانی جائے وہ جائز و حلال ہو معصیت نہ ہو۔ اگر کسی نے کسی گناہ اور ناجائز کام کی نذر مان لی تو اس پر لازم ہے کہ وہ ناجائز کام نہ کرے اپنی قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے واجب نہ ہو اس لیے اگر کوئی شخص نماز فرض یا وتر واجب کی نذر مان لے تو نذر لغو ہوگی وہ فرض یا واجب پہلے ہی سے اس پر

واجب الادا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس کام کو بذریعہ نذر اپنے اوپر واجب کیا ہے اس کی جنس سے کوئی عبادت شریعت میں واجب کی گئی ہو جیسے نماز' روزہ' صدقہ' قربانی وغیرہ اور جس کی جنس سے شرعاً کوئی عبادت مقصود نہیں ہے اس کی نذر لازم نہیں ہوتی جیسے کسی مریض کی عیادت یا جنازے کے پیچھے چلنا وغیرہ جو اگرچہ عبادات ہیں مگر عبادت مقصودہ نہیں۔ نذر و یمین کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔(سورۃ الدھر آیت ۷)(معارف القرآن ص ۶۴۳ ج ۸)

کسی کو دھوکہ دینے کے لیے قسم کھانے میں ایمان کا خطرہ ہے

مسئلہ : صرف مخاطب کو فریب دینے کے لیے قسم کھائی جائے تو یہ عام قسم توڑنے سے زیادہ خطرناک گناہ ہے جس کے نتیجہ میں یہ خطرہ ہے کہ ایمان کی دولت ہی سے محروم ہو جائے۔(سورہ نحل آیت ۹۱)(معارف القرآن ج ۵ ص ۳۸۴)

قسم کھانے کی چند صورتیں اور اس کا حکم

یمین غموس :۔ اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہتے ہیں مثلاً ایک شخص نے کوئی کام کر لیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اور موجب وبال دنیا و آخرت ہے مگر اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا' توبہ و استغفار لازم ہے اس کو اصطلاح فقہا میں یمین غموس کہا جاتا ہے۔ کیونکہ غموس کے معنی ڈبا دینے کے ہیں یہ قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق کرنے والی ہے۔

یمین لغو :۔ گذشتہ کسی واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو مثلاً کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آگیا ہے' اس پر اعتماد کر کے اس

نے قسم کھالی کہ وہ آگیا ہے پھر معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے اس کو یمین لغو کہتے ہیں۔ اس طرح بلا قصد زبان سے لفظ قسم نکل جائے تو اس کو بھی یمین لغو کہا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس پر کفارہ ہے نہ گناہ۔

یمین منعقدہ :۔ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس پر گناہ بھی ہوتا ہے بعض میں نہیں ہوتا۔

(سورہ مائدہ آیت ۸۹)(معارف القرآن ص ۲۲۳، ۲۲۴ ج ۳)

مسئلہ : قسم ٹوٹنے سے پہلے قسم کا کفارہ ادا نہیں ہوتا۔ جیسے وقت سے پہلے نماز اور رمضان سے پہلے رمضان کا روزہ نہیں ہوتا اسی طرح قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی معتبر نہیں۔ (سورہ مائدہ آیت ۸۹) معارف القرآن ص ۲۲۴ ج ۳)

باب

احکام المساجد

مساجد کے مسائل

مسئلہ : یہ کہ دنیا کی تمام مساجد آداب مسجد کے لحاظ سے مساوی ہیں جیسے بیت المقدس۔ مسجد حرام یا مسجد نبویؐ کی بے حرمتی ظلم عظیم ہے اسی طرح دوسری تمام مساجد کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔ اگرچہ تینوں مساجد کی خاص بزرگی و عظمت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبویؐ و نیز بیت المقدس میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے۔ ان تینوں مساجد میں نماز پڑھنے کی خاطر دور دراز ملکوں سے سفر کرکے پہونچنا موجب ثواب عظیم اور باعث برکات ہے بخلاف دوسری مساجد کے کہ ان تینوں کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل جان کر اس کے لیے دور سے سفر کرکے آنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ : مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں۔ ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں

نماز و تلاوت سے صراحۃً روکا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور و شغب کر کے یا اس کے قرب وجوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز و ذکر وغیرہ میں خلل ڈالے۔ یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

اسی طرح اوقات نماز میں جب کہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں۔ مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے۔ تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے۔ اسی لیے حضرات فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ ہاں جب مسجد عام نمازیوں سے خالی ہو۔ اس وقت ذکر یا تلاوت جہر کا مضائقہ نہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس وقت لوگ نماز و تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں اپنے لیے سوال کرنا یا کسی دینی کام کے لیے چندہ کرنا بھی ایسے وقت ممنوع ہے۔

مسئلہ: مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہیں۔ اس میں جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے۔ اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے۔ مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کے لیے لوگ نہ آئیں۔ یا کم ہو جائیں۔ کیونکہ مسجد کی تعمیر و آبادی دراصل در و دیوار یا ان کے نقش و نگار سے نہیں۔ بلکہ ان میں اللہ کا ذکر کرنے والوں سے ہے۔

(البقرہ آیت ۱۱۴) (معارف القرآن ص ۲۹۹، ۳۰۰ ج ۱)

مساجد کے پندرہ آداب

مسئلہ: علماء نے آداب مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو ان کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین کہے (لیکن یہ اس صورت میں ہے۔ جب کہ حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ اس کو سلام کرنا درست نہیں)۔ دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے (یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو' مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء نصف النہار کا

وقت نہ ہو۔ ۱۴ش)

تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ وہاں تیر تلوار نہ نکالے۔ پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔ چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔ ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔ نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں میں تنگی پیدا نہ کرے۔ دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گذرے۔ گیارھویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔ بارھویں اپنی انگلیاں نہ چٹخائے۔ تیرھویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔ چودھویں نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لیجائے۔ پندرھویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ قرطبی نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لیے اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لیے حرز و امان کی جگہ بن گئی۔

(سورۃ النور آیت ۳۶) معارف القرآن حصہ ششم ص ۴۲۸ تا ۴۲۹

مساجد میں محراب بنانے کا حکم

مسئلہ : جن مساجد میں محراب امام ایک مستقل مکان کی صورت میں بنائی جاتی ہے۔ وہاں امام پر لازم ہے کہ ان محراب سے کسی قدر باہر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب سے باہر نمازیوں کی طرف رہیں تاکہ امام اور مقتدیوں کا مکان ایک شمار ہو سکے۔ ورنہ یہ صورت مکروہ و ناجائز ہے کہ امام الگ مکان میں تنہا کھڑا ہو اور سب مقتدی دوسرے مکان میں۔ بعض مساجد میں محراب اتنی وسیع و عریض بنائی جاتی ہے کہ ایک مختصر سی صف مقتدیوں کی بھی اس میں آجائے۔ ایسی محراب میں اگر ایک صف مقتدیوں کو بھی محراب میں کھڑی ہو اور امام ان کے آگے پورا محراب میں کھڑا ہو تو امام و مقتدیوں کے مکان کا اشتراک ہو جانے کی وجہ سے کراہت نہیں رہے گی۔

(سورہ سبا آیت ۱۳) معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۶۸

کافروں کو اسلامی اوقاف کا منتظم و متولی بنانا درست نہیں

مسئلہ : کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں۔ باقی رہا ظاہری در دیوار وغیرہ کی تعمیر سو اس میں کسی غیر مسلم سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں
(تفسیر مراغی)

غیر مسلم کے مسجد بنانے کے بارے میں حکم

مسئلہ : اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنا دے یا مسجد بنانے کے لیے مسلمانوں کو چندہ دے دے تو اس کا قبول کر لینا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو (رد المحتار، شامی، مراغی) (سورہ توبہ آیت ۱۸)

معارف القرآن حصہ چہارم ص ۳۳۱

مسئلہ :
آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلا کسی ضرورت کے محض ریا و نمود کے لئے یا ضد و عناد کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں، اگرچہ نماز ہو جاتی ہے۔
(سورہ توبہ آیت ۱۰۷) معارف القرآن حصہ چہارم ص ۴۶۳

مسئلہ : اولیاء و صلحاء کے قبور کے پاس مسجد بنانے کا حکم

مسئلہ : اولیاء صلحاء کی قبور کے پاس نماز کے لیے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں اور اس حدیث میں قبور انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں، اس سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنا دینا ہے۔ جو باتفاق شرک و حرام ہے۔ (مظہری) (سورۃ الکھف آیت ۲۱)

(معارف القرآن ج پنجم ص ۵۶۵)

باب

البیوع

قرض اور ادھار کے متعلقہ احکام

مسئلہ : ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھنی چاہئے تاکہ بھول چوک یا انکار کے وقت کام آئے۔ نیز ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کی جائے غیر معین مدت کے لیے ادھار لینا دینا جائز نہیں کیونکہ اس سے جھگڑے فساد کا دروازہ کھلتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا کہ میعاد بھی ایسی مقرر ہونا چاہئے جس میں کوئی ابہام نہ ہو، مہینہ اور تاریخ کے ساتھ معین کی جائے کوئی مبہم میعاد نہ رکھیں جیسے کھیتی کٹنے کے وقت کیونکہ وہ موسم کے اختلاف سے آگے پیچھے ہو سکتا ہے۔(البقرہ آیت ص ۶۸۴)

مشترک مال سے تجارت

مسئلہ : اول یہ کہ مال میں شرکت جائز ہے کیونکہ یہ رقم سب کی مشترک تھی دوسری یہ کہ مال میں وکالت جائز ہے کہ مشترک مال میں کوئی ایک شخص بحیثیت وکیل دوسروں کی اجازت سے تصرفات کرے۔ تیسرے یہ کہ چند رفیق اگر کھانے میں شرکت رکھیں یہ جائز ہے۔ اگرچہ کھانے کی مقداریں عادۃً مختلف ہوتی ہیں کوئی کم کھاتا ہے

کوئی زیادہ۔ (سورہ کہف آیت ۹ تا ۲۱)(معارف القرآن ج پنجم ص ۵۶۱)

تجارت کے چند احکام

مسئلہ : معاملات دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں دل سے رضامند ہونا ضروری ہے۔ جیسے خرید و فروخت وہبہ وغیرہ کہ ان میں دل سے رضامند ہونا معاملہ کے لیے شرط ہے۔ بنص قرآن اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ یعنی کسی دوسرے شخص کا مال حلال نہیں ہوتا جب تک تجارت وغیرہ کا معاملہ طرفین کی رضامندی سے نہ ہو۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ، شعبی، زہری، نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ کے نزدیک طلاق مکرہ کا بھی یہی حکم ہے کہ حالت اکراہ میں اگرچہ وہ طلاق دینے پر دل سے آمادہ نہیں تھا مجبور ہو کہ الفاظ طلاق کہہ دیئے اور وقوع طلاق کا تعلق صرف الفاظ طلاق ادا کر دینے سے ہے۔ دل کا قصد وارادہ شرط نہیں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اس لیے یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

معارف القرآن حصہ پنجم ص ۳۹۵ تا ۳۹۶

حرمت سود اور اس کے احکام

حرمت سود کے دلائل میں حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے سات آیات قرآنی اور دس احادیث طیبہ معارف القرآن جلد اول میں درج فرمائے۔ رسالہ سود میں علیحدہ تحریر فرمایا ہے اس کے علاوہ حرمت سود کے دلائل و حکم بھی توضیح و تشریح کے ساتھ بیان فرما دیئے ہیں ان کے لیے معارف القرآن ج ۷ ص ۶۴ تا ۶۸ ملاحظہ فرمایئے یہاں صرف چند مسائل لکھے جاتے ہیں۔

سود کی تعریف : امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں ربا (سود) کی تعریف یہ فرمائی "وہ قرض ہے جس میں کسی میعاد کے لیے اس شرط پر قرض دیا جائے کہ قرضدار اس کو اصل

مال سے زائد کچھ رقم ادا کرے گا'' اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّ قرضٍ جرّ نفعاً فھو ربا یعنی جو قرض نفع حاصل کرے وہ ربا ہے۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ربا کی دو قسمیں ہیں ایک معاملات بیع و شراء کے اندر ربا' دوسرے ادھار کا ربا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے مفہوم میں بیع و شراء کی چند صورتوں کو ربا میں داخل فرمایا جن کو عرب ربا میں نہ سمجھتے تھے۔ مثلاً چھ چیزوں کے بیع و شراء میں یہ حکم دیا کہ اگر ان کا تبادلہ کیا جائے تو برابر برابر ہونا چاہئے اور نقد دست بدست ہونا چاہئے ان میں کمی بیشی یا ادھار کیا گیا تو وہ بھی ربا ہے یہ چیزیں سونا' چاندی' گیہوں' جو' کھجور اور انگور ہیں۔

اسی اصول کے ماتحت معاملات کی جو چند صورتیں مزابنہ اور محاقلہ کے نام سے رائج تھیں آیات ربا نازل ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ربا میں شامل قرار دے کر منع فرمایا۔ (ابن کثیر بحوالہ مستدرک حاکم ص ۳۲۷ ج ۱)

مزابنہ یہ کہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بدلے میں اندازہ سے فروخت کیا جائے اور محاقلہ یہ کہ کھڑے کھیت کے غلہ گندم' چنا' وغیرہ خشک صاف کئے ہوئے غلہ گندم یا چنے سے اندازہ لگا کر فروخت کیا جائے اندازہ میں چونکہ کمی بیشی کا امکان رہتا ہے اس لیے ان سے منع کیا گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جن صورتوں میں ربا کا شبہ بھی ہو اس کو چھوڑنے کا امر فرمایا (سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵) (معارف القرآن ص ۶۴۴ تا ۶۴۷ ج ۱)

حرمت قمار اور اس کے اقسام

مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس' ابن عمر' قتادہ' معاویہ بن صالح اور عطاء اور طاؤس رضی اللہ عنہم نے فرمایا ''ہر قسم کا قمار میسر ہے' یہاں تک کہ بچوں کا کھیل' لکڑی کے گٹکوں اور اخروٹ کے ساتھ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مخاطرہ قمار میں سے ہے (جصاص)۔ مخاطرہ کے معنی کہ ایسا معاملہ جو نفع و ضرر کے درمیان دائر ہو۔ یعنی یہ بھی احتمال ہو کہ بہت سامال مل جائے اور یہ بھی کہ کچھ نہ ملے جیسے آج کل کی تجارتی لاٹری

اور معمے حل کرنے کا چلتا ہوا کاروبار۔ شطرنج اور چوسر وغیرہ تاش پر اگر روپے کی ہار جیت ہو وہ بھی میسر میں داخل ہے۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۱۹) مزید دلائل کے لیے معارف القرآن جلد اول ۵۳۲ تا ۵۳ ملاحظہ فرمایئے۔

نوٹ:۔ اگر صرف ایک جانب سے انعام مقرر کیا جائے کہ جو شخص فلاں کام کرے گا' اس کو یہ انعام ملے گا۔ اس میں مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس شخص سے کوئی فیس وصول نہ لی جائے۔

باب

الامارت والسیاست

خلیفہ وقت کی اجرت

خلیفہ وقت یا سلطان کو جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام وہی میں صرف کرتا ہے۔ شرعاً یہ جائز ہے کہ اپنا متوسط گذارہ بیت المال سے لے لے، لیکن کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو سکے تو وہ زیادہ پسند ہے۔

(سورہ سبا آیت ۱۰) (معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۶۳)

خلافِ شرع کاموں میں امیر کی اطاعت جائز نہیں

اگر تم لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو۔ اور اس سے پہلے اللہ تعالٰی نے لوگوں کو اولی الامر کی اطاعت کی تعلیم دی۔ اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ امیر اگر عدل پر قائم ہے۔ تو اس کی اطاعت واجب ہے۔ اور اگر وہ عدل و انصاف کو چھوڑ کر خلاف شرع احکام صادر کرے تو ان میں امیر کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" یعنی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی لازم

تی ہو۔" (سورہ نساء آیت ۵۸) معارف القرآن حصہ دوم ص ۴۵۲

کسی سرکاری عہدہ کا خود طلب کرنا

مسئلہ: کسی سرکاری عہدہ اور منصب کو خود طلب کرنا جائز نہیں مگر جب یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا اچھا انتظام نہیں کر سکے گا اور اپنے بارے میں اندازہ ہو کہ عہدہ کا کام اچھا انجام دے سکے گا اور گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ ایسی حالت میں عہدہ کا خود طلب کرنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ: کافر یا فاسق حکمران کی حکومت کا عہدہ قبول کرنا خاص حالات میں جائز ہے۔
(سورہ یوسف آیت ۵) معارف القرآن ص ۸۷ تا ۹۷)

مسئلہ: حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مریدوں کی خبر گیری رکھنا ضروری ہے۔ (سورہ نمل آیت ۲) (معارف القرآن ص ۵۷۰ ج ۶)

کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر و امام ہونا جائز ہے؟

مسئلہ: صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَّلَّوْا اَمْرَهُمْ امْرَاَةً۔ یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔ اسی لیے علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر برقرار رکھا

اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جا سکے۔

مشرکین کو خط لکھنا اور ان کے پاس بھیجنا جائز ہے

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط سے یہ ثابت ہوا کہ تبلیغ دین اور دعوت اسلام کے لیے مشرکین اور کفار کو خطوط لکھنا جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

انسانی اخلاق کی رعایت ہر مجلس میں چاہیئے اگرچہ وہ مجلس کفار ہی کی ہو

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے نامہ بری کا کام لیا تو اس کو یہ ادب مجلس بھی سکھایا کہ خط ملکہ سباء کو پہنچا کر وہیں سر پر سوار نہ رہے۔ بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ جائے جو عام شاہی مجلسوں کا طریقہ ہے۔ اس میں آداب معاشرت اور انسانی اخلاق کا عام مخلوقات کے ساتھ مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ (سورہ سبا آیت ۲۰ تا ۳۸)

معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۷۱ تا ۵۷۴۔

دو قومی نظریہ

مذہب کی بناء پر قومیت کی تقسیم مسلم وغیرہ مسلم کا دو قومی نظریہ عین منشاء قرآنی کے مطابق ہے آیت فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ اس پر شاہد ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلام میں دو قومی نظریہ کی اصل بنیاد درحقیقت صحیح متحدہ قومیت پیدا کرنے پر ہے جو ابتداء آفرینش میں قائم تھی۔ جس کی بنیاد وطنیت پر نہ تھی بلکہ عقیدہ دین اور دین حق کی پیروی تھی ارشاد قرآنی اَلنَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً نے بتلایا کہ ابتدا عالم میں اعتقاد صحیح اور دین حق کی پیروی کے اعتبار سے ایک صحیح اور حقیقی وحدت قومی قائم

تھی۔ بعد میں لوگوں نے اختلافات پیدا کیے۔ انبیاء نے لوگوں کو اسی اصلی وحدت کی طرف بلایا جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا وہ اس متحدہ قومیت سے کٹ گئے اور جداگانہ قوم قرار دیئے گئے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۱۳) معارف القرآن ص ۵۰۸ ج ۱)

مسئلہ: مومن و کافر میں رشتۂ اخوت نہیں ہو سکتا وطنی یا نسبی بنیاد پر قومیت کی تعمیر اصول اسلام سے بغاوت ہے (سورہ ھود آیت ۴۷) (معارف القرآن ج ۳ ص ۶۳)

حکومت کا غذائی کنٹرول

جب کسی ملک میں اقتصادی حالات ایسے خراب ہو جائیں کہ اگر حکومت نظم قائم نہ کرے تو بہت سے لوگ اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہو جائیں تو حکومت ایسی چیزوں کو اپنے نظم اور کنٹرول میں لے سکتی ہے۔ اور غلہ کی مناسب قیمت مقرر کر سکتی ہے حضرات فقہاء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (سورہ یوسف آیت ۴۳)

(معارف القرآن ص ۸۷ ج ۵)

دستور مملکت کی چند اہم دفعات

اول: یہ کہ آسمان اور زمین میں اقتدار اعلیٰ اللہ جل مجدہ کا ہے۔

دوسرے: یہ کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ کے لیے اس کا نائب و خلیفہ اس کا رسولؐ ہوتا ہے اور یقینی طور پر یہ واضح ہو گیا کہ خلافت الٰہیہ کا سلسلہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا تو اب خلافت رسولؐ کا سلسلہ اس کے قائم مقام ہوا اور اس خلیفہ کا تقرر ملت کے انتخاب سے قرار پایا۔ (سورۃ البقرہ آیت ۳۰)

(معارف القرآن ص ۱۸۶ ج ۱)

مغربی جمہوریت اور اسلامی شورائیت میں فرق

عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد اور خود مختار ہیں۔

محض اپنی رائے سے جو چاہیں اچھا یا برا قانون بنا سکتے ہیں۔ اسلامی اسمبلی اور اس کے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اس اصول و قانون کے پابند ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو ملا ہے اس اسمبلی یا مجلس شوریٰ کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں اور جس شخص کو یہ منتخب کریں۔ اس کے لیے بھی کچھ حدود و قیود ہیں۔ پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہو سکتی ہے اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا ان کو کوئی اختیار نہیں۔

(البقرۃ آیت ۳۰)(معارف القرآن ص۱۸۶ ج۱)

اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے

اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے' امیر کا انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے۔ خاندانی وراثت سے نہیں' آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس اصول کا لوہا مانا جا چکا ہے' شخصی بادشاہتیں بھی طوعاً و کرہاً اسی طرف آ رہی ہیں' لیکن اب سے چودہ سو برس پہلے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھئے جب کہ پوری دنیا پر آج کے تین بڑوں کی جگہ دو بڑوں کی حکومت تھی' ایک کسریٰ' دوسرا قیصر' اور ان دونوں کے آئین حکومت شخصی اور موروثی بادشاہت ہونے میں مشترک تھے۔ جن میں ایک شخص واحد لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنی قابلیت و صلاحیت سے نہیں' بلکہ وراثت کے ظالمانہ اصولوں کی بناء پر حکومت کرتا تھا اور انسانوں کو پالتو جانوروں کا درجہ دینا بھی بادشاہی انعام سمجھا جاتا تھا' یہ نظریہ حکومت دنیا کے بیشتر حصہ پر مسلط تھا' صرف یونان میں جمہوریت کے چند دھندلے اور ناتمام نقوش پائے جاتے تھے' لیکن وہ بھی اتنے ناقص اور مدھم تھے کہ ان پر مملکت کی بنیاد رکھنا مشکل تھا' اسی وجہ سے جمہوریت کے ان یونانی اصولوں پر کبھی کوئی مستحکم حکومت نہیں بن سکی' بلکہ وہ اصول ارسطو کے فلسفہ کی ایک شاخ بن کر رہ گئے۔ اس کے برخلاف اسلام نے حکومت میں وراثت کا غیر فطری اصول باطل کر کے امیر مملکت کا عزل و نصب جمہور کے اختیار میں دے دیا جس کو وہ اپنے نمائندوں اہل حل و عقد کے ذریعہ استعمال کر سکیں' بادشاہ پرستی کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات

ہی کے ذریعہ اس عادلانہ اور فطری نظام سے آشنا ہوئی۔ اور یہی روح ہے اس طرز حکومت کی، جس کو آج جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن موجودہ طرز کی جمہوریتیں چونکہ بادشاہی ظلم و ستم کے رد عمل کے طور پر وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو مطلق العنان بنا کر پورے آئین حکومت اور قانون مملکت کا ایسا آزاد مالک بنایا کہ ان کے قلب و دماغ زمین و آسمان اور تمام انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا اور اس کی اصلی ما لکیت و حکومت کے تصور سے بھی بیگانہ ہو گئے اب ان کی جمہوریت خدا تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے عوامی اختیار پر خدا تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو بھی بار خاطر خلافِ انصاف تصور کرنے لگیں۔

اسلامی آئین نے جس طرح خلق خدا کو کسریٰ و قیصر اور دوسری شخصی بادشاہتوں کے جبرو استبداد کے پنجہ سے نجات دلائی۔ اسی طرح ناخدا آشنا مغربی جمہوریتوں کو بھی خدا شناسی، اور خدا پرستی کا راستہ دکھایا کہ ملک کے حکام ہوں، یا عوام، خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں ان کے عوام اور عوامی اسمبلی کے اختیارات، قانون سازی، عزل و نصب خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر رہیں، ان پر لازم ہے کہ امیر کے انتخاب میں اور پھر عہدوں اور منصبوں کی تقسیم میں ایک طرف قابلیت اور صلاحیت کی پوری رعایت کریں۔ تو دوسری طرف ان کی دیانت و امانت کو پرکھیں، اپنا امیر ایسے شخص کو منتخب کریں جو علم، تقویٰ، دیانت، امانت، صلاحیت، اور سیاسی تجربہ میں سب سے بہتر ہو، پھر یہ امیر منتخب بھی آزاد اور مطلق العنان نہیں، بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینے کا پابند رہے، قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تعامل اس پر شاہد عدل ہیں، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ "یعنی شورائیت کے بغیر خلافت نہیں ہے"

(کنزالعمال بحوالہ (ابن ابی شیبۃ)

شورائیت اور مشورہ کو اسلامی حکومت کے لیے اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اگر امیر مملکت مشورہ سے آزاد ہو جائے، یا ایسے لوگوں سے مشورہ لے جو شرعی نقطہ نظر سے مشورہ کے اہل نہ ہوں تو اس کا عزل کرنا ضروری ہے۔

ذکر ابن عطیہ ان الشوریٰ من قواعد الشریعۃ والدین فعزلہ واجب' ھذا مالا خلاف لہ۔ (البحر المحیط لابی حیان)

"ابن عطیہؒ نے فرمایا کہ شورائیت شریعت کے قواعد اور بنیادی اصولوں میں سے ہے جو امیر کہ اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ لے' اس کا عزل کرنا واجب ہے' اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔"

مشورہ کے ضروری ہونے سے اسلامی حکومت اور اس کے باشندوں پر جو ثمرات اور برکات حاصل ہوں گے' اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کو رحمت سے تعبیر فرمایا' ابن عدی اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اس مشورہ کی حاجت نہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو میری امت کے لیے ایک رحمت بنایا ہے۔ (بیان القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے رسولؐ کو ہر کام بذریعہ وحی بتلا دیتا' کسی کام میں بھی مشورہ کی ضرورت نہ چھوڑتا' لیکن امت کی مصلحت اس میں تھی کہ آپؐ کے ذریعہ مشورہ کی سنت جاری کرائی جائے' اس لیے بہت سے امور ایسے چھوڑ دیئے جن میں صراحۃً کوئی وحی نازل نہیں ہوئی' ان میں آپؐ کو مشورہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔

پانچواں مسئلہ : مشورہ میں اختلاف رائے ہو جائے' تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی

مسئلہ میں اگر اختلاف رائے ہو جائے تو کیا آج کل کے پارلیمانی اصول پر اکثریت کا فیصلہ نافذ کرنے پر امیر مجبور ہوگا' یا اس کو اختیار ہوگا کہ اکثریت ہو یا اقلیت جس طرح دلائل کی قوت اور مملکت کی مصلحت زیادہ نظر آئے اس کو اختیار کرے؟ قرآن و حدیث اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اکثریت رائے کے فیصلہ کا پابند و مجبور ہے' بلکہ

قرآن کریم کے بعض اشارات اور حدیث اور تعامل صحابہ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اپنی صواب دید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا ہے' خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے' البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لیے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا۔ اسی طرح اکثریت کا ایک چیز متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لیے سبب اطمینان بن سکتا ہے۔

آیت مذکورہ میں غور فرمایئے' اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا ہے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ یعنی مشورہ کے بعد آپ جب کسی جانب کو طے کر کے عزم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ اس میں عَزَمْتَ کے لفظ میں عزم یعنی نفاذ حکم کا پختہ ارادہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا' عَزَمْتُمْ نہیں فرمایا جس سے عزم و تنفیذ میں صحابہ کی شرکت معلوم ہوتی' اس کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ لینے کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معتبر ہے' حضرت عمر بن الخطابؓ بعض وقت دلائل کے لحاظ سے اگر عبداللہ بن عباسؓ کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تھی تو ان کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے' حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہ موجود ہوتے تھے' جو ابن عباسؓ سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مرتبہ حضرات شیخین صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی رائے کو جمہور صحابہ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے' حتیٰ کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ آیت مذکورہ صرف ان دونوں حضرات سے مشورہ لینے کے لیے نازل ہوئی۔ حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:۔

عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالٰی (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) قال ابوبکر و عمرؓ (ابن کثیر)

''ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شَاوِرْهُمْ کی ضمیر سے مراد حضرات شیخینؓ ہیں۔''

کلبی کی روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے:

عن ابن عباسؓ قال نزلت فی ابی بکر و عمر و کانا حواریی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و وزیریہ و ابوی المسلمین' (ابن کثیر)

"ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکرؓ سے مشورہ لینے کے بارے میں نازل ہوئی ہے' یہ دونوں حضرات جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابی اور وزیر تھے' اور مسلمانوں کے مربی تھے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرات شیخینؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا :

لواجتمعتمافی مشورۃماخالفتکما۔

(ابن کثیر بحوالہ مسند احمد)

"جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔"

ایک اشکال اور اس کا جواب

مسئلہ : یہاں یہ اشکال کیا جا سکتا ہے کہ یہ تو جمہوریت کے منافی ہے' اور شخصی حکومت کا طرز ہے' اور اس سے جمہور کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اسلامی آئین نے اس کی رعایت پہلے کر لی ہے' کیونکہ عوام کو یہ اختیار ہی نہیں دیا کہ جس کو چاہیں امیر بنا دیں بلکہ ان پر لازم قرار دیا ہے کہ علم و عمل اور صلاحیت کار اور خدا ترسی اور دیانت کی رو سے جس شخص کو سب سے بہتر سمجھیں صرف اس کو امیر منتخب کریں تو جس شخص کو ان اعلیٰ اوصاف اور اعلیٰ صفات کے تحت منتخب کیا گیا ہو' اس پر ایسی پابندیاں عائد کرنا جو بد دیانت اور فساق' فجار پر عائد کی جاتی ہیں عقل و انصاف کا خون کرنا' اور کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور ملک و ملت کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے مرادف ہو گا۔

چھٹا مسئلہ : : ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا

اس جگہ یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ نظام حکومت اور دوسرے اہم امور میں

تدبیر اور مشورہ کے احکام کے بعد یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل و رائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو۔ بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو' کیونکہ یہ سب تدبیر مدبر الامور کے قبضہ قدرت میں ہیں' انسان کیا اور اس کی رائے و تدبیر کیا' ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں ان چیزوں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے' مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے۔

خویش را دیدیم و رسوائی خویش
امتحان ما مکن اے شاہ بیش

(سورۂ آل عمران آیت ۱۵۹)

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۲۳ تا ۲۲۶)

باب

الجہاد والقتال

جہاد کے متعلق مسائل

مسئلہ : لنگڑے، لنجے، اندھے، بیمار اور دیگر معذور شرعی لوگوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔ (سورۂ نساء آیت ۹۵)

(معارف القرآن حصہ دوم ص ۵۲۴)

مسئلہ : جب تک جہاد فرض کفایہ ہو اولاد کو بغیر ماں باپ کی اجازت کے جہاد میں جانا جائز نہیں۔

مسئلہ : جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض ہو اس کے لیے جب تک قرض ادا نہ کر دے اس فرض کفایہ میں حصہ لینا درست نہیں۔ ہاں اگر کسی وقت نفیر عام کے سبب یا کفار کے نرغہ کے باعث جہاد سب پر فرض عین ہو جائے تو اس وقت نہ والدین کی اجازت شرط ہے نہ شوہر کی نہ قرض خواہ کی۔ (البقرۃ آیت ۲۱۸) (معارف القرآن ص ۵۱۸ ج ۱)

مسئلہ : جہاد کے لیے اسلحہ اور سامان حرب کی تیاری فرض ہے۔ (سورۂ انفال آیت ۶۰)

(معارف القرآن ج ۴ ص ۲۷۲)

جہاد و قتال کے احکام

مسئلہ : حرم مکہ میں انسان کیا کسی شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر

حرم محترم میں کوئی آدمی دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتال کرنا جائز ہے اس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ : ابتداء جہاد و قتال کی ممانعت صرف مسجد حرام کے آس پاس حرم مکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے مقامات میں جیسے دفاعی جہاد ضروری ہے۔ اسی طرح ابتدائی جہاد و قتال بھی درست ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۹۱) (معارف القرآن حصہ اول ص ۴۷۱)

ہجرت کا بیان

مسئلہ : جس دار الکفر میں عام احکام دینیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو وہاں سے ہجرت فرض و واجب تو نہیں۔ مگر مستحب بہرحال ہے۔ اور اس میں دار الکفر ہونا بھی ضروری نہیں۔ دار الفسق جہاں احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی اعلانا ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگرچہ وہاں کے حکمران کے مسلمان ہونے کی بناء پر اس کو دار الاسلام کہا جاتا ہو۔

مسئلہ : جس شہر یا ملک میں انسان کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی نہ ہو اور وہ کفر و شرک یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی پر مجبور ہو وہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے شہر یا ملک میں جہاں دین پر عمل کی آزادی ہو چلا جانا بشرطیکہ قدرت ہو واجب ہے۔ البتہ جس کو سفر پر قدرت نہ ہو یا کوئی ایسی جگہ میسر نہ ہو جہاں آزادی سے دین پر عمل کر سکے وہ شرعاً معذور ہے۔

(سورہ عنکبوت آیت ۵۶تا۵۷) معارف القرآن حصہ ششم ص ۷۱۱

جنگی قیدیوں کے احکام و مسائل

مسئلہ : جنگی قیدیوں کے قتل اور استرقاق یعنی غلام بنا لینے کا جو امام المسلمین کو اختیار ہے اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے اور فدیہ لے کر یا بلا معاوضہ آزاد کرنے میں اگرچہ کچھ اختلافات ہیں مگر جمہور کے نزدیک یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

(معارف القرآن ص ۲۳ ج ۸)

مسئلہ : جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے۔ یعنی اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انہیں غلام بنا سکتی ہے ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنے کا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لیے ہے، جب تک اس کے خلاف دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی۔ ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے جو اسلامی ممالک اس معاہدہ میں شریک ہیں ان کے لیے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔

(سورہ محمد آیت ۴)(معارف القرآن ص ۲۷ ج ۸)

کسی معین شخص پر لعنت کرنے کا حکم

مسئلہ : کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس کا کفر پر مرنا یقینی طور پر ثابت نہ ہو ہاں عام وصف کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے لعنۃ اللہ علی المفسدین، لعنۃ اللہ علی قاطع الرحم وغیرہ۔ (سورہ محمد آیت ۲۹ تا ۳۱)

(معارف القرآن ص ۴۳ ج ۸)

مسلمان کا کفار کی قید میں آنا

مسئلہ : کوئی مسلمان کفار کی قید میں آجائے اور وہ ان کا کچھ مال لے کر واپس آیا جائے تو یہ مال بحکم مال غنیمت حلال ہے اور مال غنیمت کے عام قاعدہ کے مطابق اس کا پانچواں حصہ بیت المال کو دینا بھی اس کے ذمہ نہیں۔

حضرات فقہاءؒ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان چھپ کر بغیر امان و اجازت لیے دار الحرب میں چلا جائے اور وہاں سے کفار کا کچھ مال چھین کر یا کسی طرح لے آئے اور دار الاسلام میں پہنچ جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

لیکن جو شخص کفار سے امان اور اجازت لے کر ان کے ملک میں جائے جیسا آج

کل ویزا لینے کا دستور ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ ان کا کوئی مال بغیر ان کی رضامندی کے لیے آئے۔ اسی طرح جو شخص قید ہو کر ان کے ملک میں چلا جائے پھر کفار میں سے کوئی آدمی اس کے پاس کوئی امانت رکھ دے تو اس امانت کا لے آنا بھی حلال نہیں۔ پہلی صورت میں تو اس لیے کہ امان لے کر جانے سے ایک معاہدہ ان کے درمیان ہو گیا۔ اب بغیر ان کی رضامندی کے ان کے جان و مال میں کوئی تصرف کرنا عہد شکنی میں داخل ہے۔ دوسری صورت میں بھی امانت رکھنے والے سے عملی معاہدہ ہوتا ہے۔ کہ جب وہ مانگے گا امانت اس کو دے دی جائے گی اب امانت واپس نہ کرنا بد عہدی اور عہد شکنی ہے۔ جو شرعاً حرام ہے (مظہری)

(سورہ صفٰت آیت ۱۴)(معارف القرآن ج ۸ ص ۴۷۷)

مال غنیمت اور اموال وقف میں چوری کی سزا

مسئلہ : مال غنیمت میں چوری گناہ عظیم ہے اور اس کی سزا عام چوریوں سے زیادہ اشد یعنی غلول ہے جب میدان حشر میں ساری مخلوق جمع ہوگی۔ سب کے سامنے اس کو اس طرح رسوا کیا جائے گا کہ جو مال چوری کیا تھا وہ اس کی گردن پر لدا ہوا ہوگا۔

یہی حال مدارس، خانقاہوں اور اوقاف کے اموال کا ہے جس میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا چندہ ہوتا ہے اگر معاف بھی کرائے تو کس کس سے کرائے اسی طرح حکومت کے سرکاری خزانہ (بیت المال) کا حکم ہے کیونکہ اس میں پورے ملک کے باشندوں کا حق ہے جو اس میں چوری کرے اس نے سب کو چوری کی مگر چونکہ یہی اموال عموماً ایسے ہوتے ہیں، جن کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا۔ نگرانی والے بے پروائی کرتے ہیں۔ چوری کے مواقع بکثرت ہوتے ہیں۔ اس لیے آج کل دنیا میں سب سے زیادہ چوری اور خیانت انہی اموال میں ہو رہی ہے اور لوگ اس کے انجام بد اور وبال عظیم سے غافل ہیں کہ اس جرم کی سزا علاوہ عذاب جہنم کے میدان حشر کی رسوائی بھی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی بھی نعوذ باللہ۔

(سورہ آل عمران آیت ۱۶۱)(معارف القرآن ص ۲۳۳ ج ۲)

مال غنیمت اور مال فئی کے مصارف

غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے جہاد و قتال کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ آتا ہے۔

اور فئی وہ مال ہے جو بغیر جہاد و قتال کے ان سے حاصل ہو خواہ اس طرح کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے یا رضامندی سے بصورت جزیہ و خراج یا تجارتی ڈیوٹی وغیرہ کے ذریعہ ان سے حاصل ہوتا ہے۔

ان کے مصارف کے چھ نام ذکر کئے گئے ہیں اللہ' رسول' ذوی القربیٰ' یتیم' مسکین' مسافر' یہ ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہٗ تو دنیا و آخرت اور تمام مخلوقات کا مالک حقیقی ہے۔ اس کا نام مبارک تو حصوں کے بیان میں محض تبرکاً اس فائدہ کے لیے ہے کہ اس سے مال کی شرافت و فضیلت اور حلال و طیب ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے۔ حسن بصری' قتادہ' عطاء' ابراہیم نخعی اور اور عام مفسرین (رحمہم اللہ) کا یہی قول ہے۔ (مظہری)

چنانچہ اب مستحقین اور مصارف کل پانچ رہ گئے۔ رسول' ذوی القربیٰ' یتیم' مسکین' مسافر یہی پانچ مصارف مال غنیمت کے خمس کے ہیں۔ جس کا بیان سورہ انفال میں آیا ہے اور یہی مصارف مال فئے کے ہیں۔

اور دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ سب اموال در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے مکمل اختیار میں ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو ان سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے روک لیں اور بیت المال میں جمع کر دیں کسی کو کچھ نہ دیں اور چاہیں تقسیم کر دیں۔ البتہ تقسیم کئے جاویں تو ان پانچ اقسام میں دائر رہیں (قرطبی) (سورہ حشر آیت ۶) (معارف القرآن ص ۳۶۷ ج ۸)

قیدیوں سے فدیہ لینے کے احکام

مسئلہ: قیدیوں سے فدیہ لے کر آزاد کرنے یا مال غنیمت جمع کرنے پر جو عتاب نازل ہوا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا۔ مگر پھر معافی دے دی گئی اس سے یہ بات نہ کھلی کہ آئندہ کے لیے ان معاملات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ اس لیے آگے مال غنیمت کا

مسئلہ تو صاف کر دیا گیا یعنی جو مال غنیمت تم کو ہاتھ آگیا ہے۔ وہ اب کھا سکتے ہو وہ آئندہ کے لیے تمہارے واسطے حلال کر دیا گیا۔ مگر اس میں یہ بھی ایک شبہ رہ جاتا ہے کہ مال غنیمت حلال کرنے کا حکم اب ملا ہے اس حکم سے پہلے جو غلطی سے جمع کر لیا گیا تھا شاید اس میں کسی قسم کی کراہت ہو اس لیے اس کے بعد حلالاً طیباً فرما کر یہ شبہ بھی دور کر دیا گیا۔ کہ اگرچہ نزول حکم سے پہلے جمع غنیمت کا اقدام درست نہ تھا۔ مگر اب جب کہ مال غنیمت حلال ہونے کا حکم آگیا تو پہلا جمع کیا ہوا بھی بغیر کسی کراہت کے حلال ہے۔

مسئلہ : یہاں اصول فقہ کا ایک مسئلہ قابل نظر اور قابل یادداشت ہے کہ جب کسی ناجائز اقدام کے بعد مستقل آیت کے ذریعہ اس مال کو حلال کرنے کا حکم نازل ہو جائے تو سابقہ اقدام کا اس میں کوئی اثر نہیں رہتا۔ یہ مال حلال طیب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہوا۔ لیکن اسی کی دوسری نظیر یہ ہے کہ کسی معاملہ میں حکم تو پہلے سے نازل شدہ تھا۔ مگر اس کا ظہور عمل کرنے والوں پر نہیں تھا۔ اس بناء پر اس کے خلاف ورزی کر گزرے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عمل قرآن و سنت کے فلاں حکم کے خلاف تھا تو اس صورت میں ظہور حکم کے بعد وہ مال حلال نہیں رہتا اگرچہ سابقہ غلطی کو معاف بھی کر دیا جائے۔ (نور الانوار ملا جیون) (سورہ انفال آیت ۶۸)

معارف القرآن حصہ چہارم ص ۲۸۵ تا ۲۸۶

امور دین میں کفار سے مشورہ

مسئلہ : امور دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں۔ دوسرے امور جن کا تعلق تجربہ وغیرہ سے ہو۔ ان میں مشورہ لینے میں مضائقہ نہیں واللہ علم

(سورہ احزاب آیت ۳) (معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۸۱)

کفار کے ساتھ صلح کرنے کے احکام

مسئلہ : صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ابتداء صلح کر لینا بھی جائز ہے جب کہ مصلحت مسلمانوں کی اس میں دیکھی جائے محض بزدلی، عیش کوشی اور سستی اس کا سبب

نہ ہو بلکہ خود مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو۔

(سورہ محمد آیت ۳۵)(ملخصا معارف القرآن ص ۴۹ ان

کفار سے معاہدہ صلح کی بعض صورتیں

اس کا فیصلہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے۔ الا صلحا احل حراما او حرم حلالا یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو۔

اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسن سلوک، صلح و سالمیت کا داعی نہیں مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ خدا کے قانون اور اصول دین میں کسی مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں واللہ اعلم۔

(سورۃ الکٰفرون آیت ۸)(معارف القرآن ج ۸ ص ۸۳۳

مسئلہ: کفار سے معاہدہ ختم ہو جائے تو اعلان عام اور سب کو ہوشیار اور خبردار کئے بغیر کوئی عمل درست نہیں۔(سورہ توبہ آیت ۴)(معارف القرآن ج ۴ ص ۲۹)

مداہنت فی الدین

مسئلہ: اس آیت (سورۃ القلم آیت ۱۰ تا ۱۴) سے معلوم ہوا کہ کفار و فجار کے ساتھ یہ سودا کر لینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے، تم ہمیں کچھ نہ کہو' یہ مداہنت فی الدین اور حرام ہے (مظہری) یعنی بلا کسی اضطرار اور مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔

(سورۃ القلم آیت ۱۰ تا ۱۳)(معارف القرآن ج ۸ ص ۵۳۳)

مسلمان کی دلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہو سکتی

مسئلہ: بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فساق و فجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہو سکتی۔ کام کاج

کی ضرورتوں میں اشتراک یا مصاحبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے دل میں دوستی فاسق و فاجر کی اسی وقت ہوگی جب کہ فسق و فجور کے جراثیم خود اس کے اندر موجود ہوں گے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عَلَیَّ یَدًا یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دے کیونکہ شریف النفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے۔ اس لیے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا جو ذریعہ ان کی محبت کا بنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی ہے۔ (سورۂ مجادلہ آیت ۲۲) (معارف القرآن ص ۳۵۳ ج ۸)

مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کا حکم

امام اعظم ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی جگہ ہجرت کرکے چلے آئیں اور ان کے مال و جائیداد پر کفار قابض ہو جائیں یا خدانخواستہ کسی دارالاسلام پر وہ غالب آ کر مسلمانوں کے اموال و جائیداد چھین لیں تو یہ اموال و جائیداد کفار کے مالکانہ قبضہ کے بعد انہی کی ملک ہو جاتے ہیں۔ ان کے تصرفات بیع و شراء ان اموال مسلمین میں نافذ ہوتے ہیں روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے تفسیر مظہری میں اس جگہ وہ سب روایات نقل کی ہیں۔ (سورۂ حشر آیت ۸)

معارف القرآن ص ۳۷۷ ج ۸)

جنگ کے وقت درختوں وغیرہ کو آگ لگانے کا حکم

مسئلہ : بحالت جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا اسی طرح درختوں کھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں امام اعظم ابو حنیفہ سے بحالت جنگ ان سب کاموں کا جائز ہونا منقول ہے مگر شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت میں ہے۔ جب کہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو یا اس صورت میں جب کہ مسلمانوں کی فتح کا گمان غالب نہ ہو تو یہ سب کام اس لیے جائز ہیں کہ ان سے کفار کی طاقت و شوکت کو توڑنا مقصود ہے یہ عدم فتح کی صورت میں ان کے مال کو ضائع کرنا بھی ان کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے اس میں داخل ہے۔

(سورۂ حشر آیت ۵) (معارف القرآن ج ۸ ص ۳۶۳)

باب

الشہادۃ

گواہی کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہیں

مسئلہ : گواہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہونا ضروری ہیں۔ ایک اکیلا مرد یا صرف دو عورتیں عام معاملات کی گواہی کے لیے کافی نہیں۔

گواہوں کی شرائط

مسئلہ : دوسرے یہ کہ گواہ مسلمان ہوں اور تیسرے یہ کہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں، جن کے قول پر اعتماد کیا جا سکے۔ فاسق و فاجر نہ ہوں۔

گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار کرنا گناہ ہے

مسئلہ : جب ان کو کسی معاملہ میں گواہ بنانے کے لیے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں۔ کیونکہ شہادت ہی احیائے حق کا ذریعہ اور جھگڑے چکانے کا طریقہ ہے۔ اس لیے اس کو اہم قومی خدمت سمجھ کر تکلیف برداشت کریں۔ اس کے بعد پھر معاملات کی دستاویز لکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو لکھنا چاہئے، اس میں اکتائیں نہیں کیونکہ معاملات کا قلمبند کر لینا انصاف کو قائم رکھنے اور صحیح شہادت

دینے اور شک و شبہ سے بچنے کے لیے بہترین ذریعہ ہے۔ ہاں اگر کوئی معاملہ دست بدست ہو ادھار نہ ہو اس کو اگر نہ لکھیں تب بھی کچھ حرج نہیں مگر اتنا اس میں بھی کیا جائے کہ معاملہ پر گواہ بنالیں کہ شاید کسی وقت فریقین میں کوئی نزاع و اختلاف پیش آجائے' مثلاً بائع کہے کہ قیمت وصول نہیں ہوئی' یا مشتری کہے کہ مجھے مبیع پوری وصول نہیں ہوئی تو اس جھگڑے کے فیصلہ میں شہادت کام آئے گی۔

(البقرہ آیت ۲۸۲) معارف القرآن حصہ اول ص ۶۸۱ تا ۶۸۷

فاسق انسان کی خبر یا شہادت مقبول نہیں

مسئلہ : کوئی شریر یا فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے۔ ان پر کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ : جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو قبول بھی کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین الحکام وغیرہ میں ہے۔
(سورۃ الحجرات آیت ۶) (تفسیر معارف القرآن ج ۸ ص ۱۰۵)

افواہیں پھیلانا حرام ہے

مسئلہ : مسلمانوں میں ایسی افواہیں پھیلانا حرام ہے جس سے ان کو تشویش اور پریشانی ہو اور نقصان پہنچے۔ (سورۃ احزاب آیت ۵۹) (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۳۵)

تہمت کے وقت اپنی صفائی پیش کرنا سنت انبیاء ہے

مسئلہ : کسی شخص پر کوئی غلط تہمت باندھے تو اپنی صفائی پیش کرنا سنت انبیاء ہے۔ یہ کوئی توکل یا بزرگی نہیں کہ اس وقت خاموش رہ کر اپنے آپ کو مجرم قرار دیدے۔

مسئلہ : اس میں لفظ شاہد ہے یہ لفظ جب عام فقہی معاملات اور مقدمات میں بولا

جاتا ہے۔ تو اس سے وہ شخص مراد ہوتا ہے۔ جو زیر نزاع معاملہ کے متعلق اپنا چشم دید کوئی واقعہ بیان کرے۔ اس آیت میں جس کو شاہد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس نے کوئی واقعہ یا اس کے متعلق اپنا کوئی مشاہدہ بیان نہیں کیا۔ بلکہ فیصلہ کرنے کی ایک صورت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کو اصطلاحی طور پر شاہد نہیں کہا جا سکتا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ اصطلاحات سب بعد کے علماء و فقہاء نے افہام و تفہیم کے لیے اختیار کر لی ہیں۔ قرآن حکیم کی نہ یہ اصطلاحیں ہیں نہ وہ ان کا پابند ہے۔ قرآن کریم نے یہاں اس شخص کو شاہد اس معنی کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ جس طرح شاہد کے بیان سے معاملہ کا تصفیہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور کسی ایک فریق کا حق پر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس بچہ کے بیان سے بھی یہی فائدہ حاصل ہو گیا کہ اصل تو اس کا معجزانہ گویائی ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی برات کے لیے کے لیے شاہد تھی اور پھر اس نے جو علامات بتلائیں ان کا حاصل بھی انجام کار یوسف علیہ السلام ہی کی برات کا ثبوت ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس نے یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی' حالانکہ اس نے یوسف علیہ السلام کو سچا نہیں کہا' بلکہ دونوں احتمالوں کا ذکر کر دیا تھا۔ اور زلیخا کے سچے ہونے کو ایک ایسی صورت میں بھی فرضی طور پر تسلیم کر لیا تھا' جس میں ان کا سچا ہونا یقینی نہ تھا' بلکہ دوسرا بھی احتمال موجود تھا' کیونکہ کرتے کا سامنے سے پھٹنا دونوں صورتوں میں ممکن ہے' اور یوسف علیہ السلام کے سچے ہونے کو صرف اسی صورت میں تسلیم کیا تھا۔ جس میں اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں ہو سکتا' لیکن انجام کار نتیجہ اس حکمت عملی کا یہی تھا کہ یوسف علیہ السلام کا بری ہونا ثابت ہو۔

مسئلہ: اس میں یہ ہے کہ مقدمات اور خصومات کے فیصلوں میں قرائن اور علامات سے کام لیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اس شاہد نے کرتے کے پیچھے سے پھٹنے کو اس کی علامت قرار دیا کہ یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے زلیخا پکڑ رہی تھی اس معاملہ میں اتنی بات پر تو سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ معاملات کی حقیقت پہچاننے میں علامات اور قرائن سے ضرور کام لیا جائے جیسا کہ یہاں کیا گیا۔ لیکن محض علامات و قرائن کو کافی ثبوت تو اس بچہ کی معجزانہ انداز سے گویائی ہے۔ علامات و قرائن جن کا ذکر کیا گیا ہے ان سے اس معاملہ کی تائید ہو گئی۔ (سورۂ یوسف آیت ۲۵ تا ۲۹) (معارف القرآن حصہ پنجم ص ۴۴ تا ۴۵)

باب

الحدود والقصاص

جرم و سزا کے قوانین میں اسلامی قانون کا حکیمانہ اصول

دنیا کی حکومتوں میں قواعد و قوانین کی تدوین اور جرائم کی سزا و تعزیر کا پرانا دستور ہے ہر قوم و ملک میں قوانین اور تعزیرات کی کتابیں لکھی گئی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کریم بھی اللہ کے قانون کی کتاب ہے مگر اسکا طرز تمام دنیا کی کتب قوانین سے نرالا اور عجیب ہے کہ ہر قانون کے آگے پیچھے خوف خدا اور فکر آخرت کو سامنے کر دیا جاتا ہے تاکہ ہر انسان قانون کی پابندی کسی پولیس اور نگراں کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے خوف سے کرے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے خلوت ہو یا جلوت ہر صورت میں پابندی قانون کو ضروری سمجھے۔ صرف یہی سبب ہے کہ قرآن پر صحیح ایمان رکھنے والوں میں کسی سخت سے سخت قانون کی تنفیذ بھی زیادہ دشوار نہیں ہوتی اس کے لیے اسلامی حکومت کو پولیس اور اس پر اسپیشل پولیس اور اس پر خفیہ پولیس کا جال پھیلانے کی ضرورت نہیں آتی۔

(سورۃ الطلاق آیت ۲)(معارف القرآن ج۸ ص ۴۸۵)

قتل کے متعلق بعض احکام

مسئلہ : قتل عمد وہ ہے کہ ارادہ کر کے کسی کو آہنی ہتھیار سے یا ایسی چیز سے جس سے

گوشت پوست کٹ کر خون بہہ سکے قتل کیا جاوے قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینا۔ ایسے ہی قتل کے جرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسئلہ : ایسے قتل میں جیسے آزاد آدمی آزاد کے عوض میں قتل کیا جاتا ہے ایسے ہی غلام کے عوض میں بھی۔ اور جس طرح عورت کے عوض میں عورت ماری جاتی ہے۔ اسی طرح مرد بھی عورت کے مقابلہ میں قتل کیا جاتا ہے۔

مسئلہ : اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دیدی جاوے۔ مثلاً مقتول کے وارث صرف اس کے دو بیٹے تھے اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا۔ تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا۔ اور اگر پوری معافی نہ ہو۔ مثلاً صورت مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کیا۔ دوسرے نے معاف نہیں کیا' تو سزائے قصاص سے تو قاتل بری ہو گیا۔ لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت (خون بہا) دلایا جاوے گا اور دیت یعنی خوں بہا شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہوتے ہیں۔ اور درہم آج کل کے مروجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔ تو پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے ۸ ماشے چاندی ہوگی۔ یعنی ۳۶ سیر ۳۶ تولے ۸ ماشے۔

مسئلہ : جس طرح ناتمام معافی سے مال واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر باہم کسی قدر مال پر مصالحت ہو جاوے تب بھی قصاص ساقط ہو کر مال واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں کچھ شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

مسئلہ : مقتول کے جتنے شرعی وارث ہیں وہی قصاص اور دیت کے مالک بقدر اپنے حصہ میراث کے ہوں گے۔ اگر دیت یعنی خون بہا لیا گیا تو مال ان وارثوں میں بحساب وراثت تقسیم ہو گا۔ اور قصاص کا حق بھی سب میں مشترک ہو گا۔ مگر چونکہ قصاص ناقابل تقسیم ہے۔ اس لیے کوئی ادنیٰ درجہ کا حق رکھنے والا بھی اپنا حق قصاص معاف کر دے گا۔ تو دوسرے وارثوں کا حق قصاص بھی معاف ہو جائے گا۔ ہاں ان کو دیت (خون بہا) کی رقم حسب حصہ ملے گی۔

مسئلہ : قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کا ہے۔ مگر باجماع امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس حق کے حاصل

کرنے کے لیے حکم سلطان مسلم یا اس کے کسی نائب کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے۔ کس میں نہیں۔ اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں جن کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اولیاء مقتول اپنے غصہ میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں۔ اس لیے باتفاق علماء امت حق قصاص حاصل کرنے کے لیے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (قرطبی) (البقرہ آیت ۱۷۹)

معارف القرآن حصہ اول ص ۴۳۵ تا ۴۴۷

حرم میں قصاص کا جواز خاص صورت میں

مسئلہ: کوئی شخص حرم کے اندر ہی کوئی ایسا جرم کرے جس پر حد یا قصاص شرعاً عائد ہوتا ہے تو حرم اس کو امن نہیں دے گا بلکہ باجماع امت اس پر حدود و قصاص جاری کیے جائیں گے (سورۃ البقرہ آیت ۱۹۵) معارف القرآن ص ۴۳۱ ج ۱

قتل کے متعلق مزید احکام

مسئلہ: دیت دوسری قسم کی سو اونٹ ہیں، چار قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے پچیس پچیس، اور دیت تیسری قسم کی سو اونٹ ہیں۔ پانچ قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے بیس بیس، البتہ اگر دیت میں نقد دیا جائے تو دونوں قسموں میں دس ہزار درہم شرعی یا ایک ہزار دینار شرعی ہیں۔ اور گناہ دوسری قسم میں زیادہ ہے۔ بوجہ قصد کے اور تیسری قسم میں کم صرف بے احتیاطی کا (کذا فی الہدایہ)

چنانچہ تحریر رقبہ کا وجوب و نیز لفظ توبہ اس پر دال ہے۔ اور یہ حقیقت ان تینوں کی دنیا میں جاری ہونے والے احکام شرعیہ کے اعتبار سے ہے اور گناہ کے اعتبار سے عمد و غیر عمد ہونا۔ اس کا مدار قلبی قصد و ارادہ پر ہے جس پر وعید آئندہ کا مدار ہے۔ وہ خدا کو معلوم ہے ممکن ہے کہ اس اعتبار سے قسم اول غیر عمد ہو جائے اور قسم ثانی عمد ہو جائے۔

یہ مقدار مذکور دیت کی جب ہے کہ مقتول مرد ہو اور اگر عورت ہو تو اس کی نصف ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

مسئلہ: دیت مسلم اور ذمی کی برابر ہے قول رسول علیہ السلام ہے۔دیۃ کل ذی عہدفی عہدہ الف دینار۔

(کذافی الھدایۃ: اخرجہ ابو داؤدفی مراسیلہ)

مسئلہ: کفارہ یعنی تحریر رقبہ یا روزے رکھنا خود قاتل کو ادا کرنا پڑتا ہے اور دیت قاتل کے اہل نصرت پر ہے۔ جن کو شرع کی اصطلاح میں عاقلہ کہتے ہیں۔ (بیان القرآن)

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قاتل کے جرم کا بوجھ اس کے اولیاء اور انصار پر کیوں ڈالا جاتا ہے کیونکہ وہ تو بے قصور ہیں؟ وجہ دراصل یہ ہے کہ اس میں قاتل کے اولیاء بھی قصوروار ہوتے ہیں کہ انہوں نے اس کو اس قسم کی بے احتیاطی کرنے سے روکا نہیں اور دیت کے خوف سے آئندہ وہ لوگ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں گے۔

مسئلہ: کفارہ میں لونڈی غلام برابر ہیں۔ لفظ رقبہ عام ہے البتہ ان کے اعضاء سالم ہونے چاہئیں۔

مسئلہ: دیت مقتول کی شرعی ورثہ میں تقسیم ہوگی اور جو اپنا حصہ معاف کردے گا۔ اس قدر معاف ہو جائے گی۔ اور اگر سب نے معاف کردیا تو سب معاف ہو جائے گی۔

مسئلہ: جس مقتول کا کوئی وارث شرعی نہ ہو اس کی دیت بیت المال میں داخل ہو گی۔ کیونکہ دیت ترکہ ہے اور ترکہ کا یہی حکم ہے۔ (بیان القرآن)

مسئلہ: اہل میثاق (ذمی یا مستامن) کے باب میں جو دیت واجب ہے ظاہر یہ ہے کہ اس وقت ہے جب اس ذمی یا مستامن کے اہل موجود ہوں۔ اور اگر اس کے اہل نہ ہوں۔ یا وہ اہل مسلمان ہوں اور مسلمان کافر کا وارث ہو نہیں ہو سکتا اس لیے وہ بجائے نہ ہونے کے ہو۔ تو اگر وہ ذمی ہے تو اس کی دیت بیت المال میں داخل کی جائے گی۔ کیونکہ ذمی لاوارث کا ترکہ جس میں دیت داخل ہے۔ بیت المال میں آتا ہے۔ (کمافی درالمختار) ورنہ واجب ہوگی۔ (بیان القرآن)

مسئلہ: روزے میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہا ہو تو از سر نو رکھنے

پڑیں گے۔ البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہیں ہوگا۔

مسئلہ : اگر کسی عذر سے روزہ پر قدرت نہ ہو تو قدرت تک توبہ کیا کرے۔

مسئلہ : قتل عمد میں یہ کفارہ نہیں، توبہ کرنا چاہیے (بیان القرآن)

(سورہ نساء آیت ۹۳) معارف القرآن حصہ دوم ص ۵۱۵ تا ۵۱۶

شرعی سزاؤں کی تین قسمیں

حدود، قصاص، تعزیرات، ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے، اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے، اس لیے ہر ایسے جرم میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

(سورہ مائدہ آیت ۳۳) معارف القرآن حصہ سوئم ص ۱۶

زنا کے متعلق حکم

مسئلہ : شریعت نے زنا کو حرام قرار دیا تو اس کے تمام اسباب قریبہ اور ذرائع کو بھی محرمات میں داخل کر دیا۔ کسی اجنبی عورت یا مرد پر شہوت سے نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا قرار دیا۔ اس کا کلام سننے کو کانوں کا اس کے چھونے کو ہاتھوں کا۔ اس کے لیے جدوجہد میں چلنے کو پاؤں کا زنا فرمایا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہیں۔ انہی جرائم کے بچانے کے لیے عورتوں کے واسطے پردہ کے احکام نازل ہوئے۔

(سورہ احزاب آیت ۵۴، ۵۵) معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۰۶

اجراء حدود کے بعض احکام

مسئلہ : کوڑوں یا دُرّوں کی ضرب اس حد تک رہنی چاہیے کہ اس کا اثر انسان کی کھال تک رہے۔ گوشت تک نہ پہنچے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے

لگانے کی سزا میں اسی توسط و اعتدال کی تلقین عملاً فرمائی ہے کہ کوڑا نہ بہت سخت ہو جس سے گوشت تک ادھڑ جائے اور نہ بہت نرم ہو کہ اس سے کوئی خاص تکلیف ہی نہ پہنچے۔

(سورۃ النور آیت ۲) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۴۴

مسئلہ : غیر شادی شدہ مرد عورت کی سزا سو کوڑے جو آیت نور میں مذکور ہے۔ اس حدیث میں اس کے ساتھ ایک مزید سزا کا ذکر ہے کہ مرد کو سال بھر کے لیے جلا وطن بھی کر دیا جائے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کہ یہ سال بھر کی جلا وطنی کی سزا مرد زانی کو سو کوڑوں کی طرح لازمی ہے۔ یا قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ ضرورت سمجھے تو سال بھر کے لیے جلا وطن بھی کر دے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہی آخری صورت صحیح ہے۔ یعنی حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔

(سورۃ النور آیت ۲) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۴۵

مسئلہ : تہمت لگانے والے مرد ہوں اور جس پر تہمت لگائی گئی وہ پاک دامن عورت ہو مگر حکم شرعی اشتراک علت کے سبب سے عام ہے۔ کوئی عورت دوسری عورت پر یا کسی مرد پر یا مرد کسی دوسرے مرد پر تہمت زنا لگائے اور ثبوت شرعی موجود نہ ہو تو یہ بھی سب اسی سزائے شرعی کے مستحق ہوں گے۔

مسئلہ : یہ حد شرعی جو تہمت زنا پر ذکر کی گئی ہے۔ صرف اسی تہمت کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی دوسرے جرم کی تہمت کسی شخص پر لگائی جائے تو یہ حد شرعی اس پر جاری نہیں ہوگی۔ ہاں تعزیری سزا حاکم کی صوابدید کے مطابق ہر جرم کی تہمت پر دی جا سکتی ہے۔ الفاظ قرآن میں اگرچہ صراحۃً اس حد کا تہمت زنا کے ساتھ مخصوص ہونا ذکر نہیں مگر چار گواہوں کی شہادت کا ذکر اس خصوصیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ چار گواہ کی شرط صرف ثبوت زنا ہی کے لیے مخصوص ہے۔

مسئلہ : حد قذف میں چونکہ حق العبد یعنی جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس کا حق بھی شامل ہے اس لیے یہ حد جب ہی جاری کی جائے گی۔ جب کہ مقذوف یعنی جس پر تہمت لگائی گئی وہ حد جاری کرنے کا مطالبہ بھی کرے۔ ورنہ حد ساقط ہو جائے گی۔ (ہدایہ)

بخلاف حد زنا کے کہ وہ خالص حق اللہ ہے۔ اس لیے کوئی مطالبہ کرے یا نہ کرے حد زنا جرم ثابت ہونے پر جاری کی جائے گی۔ جس شخص پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو جائے اور مقذوف کے مطالبہ سے اس پر مقذوف جاری ہو جائے تو اس کی ایک سزا تو فوری ہو گئی کہ اسی کوڑے لگائے گئے دوسری سزا ہمیشہ کے لیے جاری رہے گی۔ وہ یہ ہے کہ اس کی شہادت کسی معاملے میں قبول نہ کی جائے گی جب تک یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت کے ساتھ توبہ نہ کرے۔ اور مقذوف شخص سے معافی حاصل کر کے توبہ کی تکمیل نہ کرے۔ اس وقت تک تو باجماع امت اس کی شہادت کسی معاملہ میں مقبول نہ ہو گی۔ اور اگر توبہ کرے تب بھی حنفیہ کے نزدیک اس کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔ ہاں گناہ معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں گذرا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی وہ لوگ جن پر تہمت زنا کی حد شرعی جاری کی گئی ہے اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی حالت درست کر لیں کہ آئندہ اس طرح کے اقدام کا اس سے خطرہ نہ رہے اور جس پر تہمت لگائی تھی۔ اس سے بھی معاف کرالیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

(سورۃ النور آیت ۴، ۵) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۵۴ تا ۳۵۵

لعان کے احکام

لعان اور ملاعنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الٰہی کی بددعا کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں میاں اور بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ نطفہ میرا نہیں ہے اور یہ عورت جس پر الزام ہے اس کو جھوٹا بتلادے اور اس کا مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس لیے شوہر پر اسی کوڑے تہمت زنا کی سزا جاری کی جائے۔ تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جائے گا کہ الزام زنا پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے چار گواہ پیش کر دیئے۔ تو عورت پر حد زنا لگائی جائے گی۔ اور اگر وہ چار گواہ نہ لا سکا تو ان دونوں میں لعان کرایا جائے گا۔ یعنی اول مرد سے کہا جائے گا کہ چار مرتبہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ میں اس

الزام میں سچا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رکے تو اس کو قید کر دیا جائے گا۔ کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرو۔ یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسمیں کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اس کو قید رکھا جائے گا۔ اگر اس نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرلیا تو اس پر حد قذف یعنی تہمت زنا کی شرعی سزا جاری ہوگی۔ اور اگر الفاظ مذکور کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں۔ تو پھر اس کے بعد عورت سے ان الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائیں گی۔ جو قرآن میں عورت کے لیے مذکورہ ہیں۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو اس وقت تک قید رکھا جائے گا۔ جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کرے اور اپنے جرم زنا کا اقرار کرے۔ تو اس پر حد زنا جاری کردی جائے اور یا پھر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ قسمیں کھائے۔ اگر وہ الفاظ مذکورہ سے قسمیں کھانے پر راضی ہو جائے اور قسمیں کھالے تو اب لعان پورا ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں دنیا کی سزا سے دونوں بچ گئے۔ آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے کہ ان میں سے کون جھوٹا ہے۔ جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی۔ لیکن دنیا میں بھی جب دو میاں بیوی میں لعان کا معاملہ ہو گیا۔ تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں۔ شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے۔ جو بحکم طلاق ہوگی۔ بہر حال اب ان دونوں کو آپس میں دوبارہ نکاح بھی کبھی نہیں ہو سکتا۔ معاملہ لعان کی یہ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

لعان کا قانون شریعت اسلام میں شوہر کے جذبات و نفسیات کی رعایت کی بناء پر نافذ ہوا ہے۔ کیونکہ کسی شخص پر الزام زنا لگانے کا قانون جو پہلی آیات میں گذر چکا ہے۔ اس رو سے یہ ضروری ہے کہ الزام زنا لگانے والا چار گواہ عینی پیش کرے اور جو یہ نہ کر سکے تو الٹی اسی پر تہمت زنا کی حد جاری کی جائے گی۔ عام آدمی کے لیے تو یہ ممکن ہے کہ جب چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزام زنا لگانے سے خاموش رہے تاکہ تہمت زنا کی سزا سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن شوہر کے لیے یہ معاملہ بہت سنگین ہے جب اس نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں اگر وہ بولے تو تہمت زنا کی سزا پائے اور نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبال ہو جائے اس لیے شوہر کے

معاملہ کو عام قانون سے الگ کر کے اس کا مستقل قانون بنا دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہو سکتا ہے۔

(سورۃ النور آیت ۶ تا ۱۰) (معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۵۷ تا ۳۵۸)

مسئلہ: جب دو میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہو جائے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ جیسے حرمت رضاعت ابدی ہوتی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المتلاعنان لا یجتمعان ابداً" حرمت تو لعان ہونے ہی سے ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن عورت کو دوسرے شخص سے بعد عدت نکاح کرنا امام اعظمؒ کے نزدیک جب جائز ہو گا جبکہ مرد طلاق دیدے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اگر مرد ایسا نہ کرے تو حاکم قاضی ان دونوں میں تفریق کا حکم کر دے گا۔ وہ بھی بحکم طلاق ہو جائے گا۔ پھر عدت طلاق تین حیض پورے ہونے کے بعد عورت آزاد ہو گی۔ اور دوسرے کسی شخص سے نکاح کر سکے گی۔ (مظہری وغیرہ)

مسئلہ: جب لعان ہو چکا اس کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس کے شوہر کی طرف سے منسوب نہیں ہو گا بلکہ اس کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جاوے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ اور عویمر عجلانی دونوں کے معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ: لعان کے بعد اگرچہ ان میں جو جھوٹا ہے۔ اس کا عذاب آخرت پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ مگر دنیا کی سزا اس سے ساقط ہو گئی۔ اسی طرح دنیا میں اس کو زانیہ اور بچے کو ولد الزنا کہنا بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہو گا۔ ہلال بن امیہ کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ میں یہ حکم فرمایا۔ وقضی بان لا ترمی ولا ولدھا۔

(سورۃ النور آیت ۶ تا ۱۰) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۶۱ تا ۳۶۳

مسئلہ: وَقَالُوا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تقاضا ایمان کا یہ تھا کہ مسلمان اس خبر کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کے بارے میں جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم کسی دلیل شرعی سے نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے ساتھ نیک گمان رکھنا اور بلا کسی دلیل کے عیب و گناہ کی بات اس

کی طرف منسوب کرنے کو جھوٹ قرار دینا عین تقاضائے ایمان ہے۔

مسئلہ : ہر مسلمان مرد و عورت کے ساتھ نیک گمان رکھنا واجب ہے جب تک دلیل شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اس الزام لگاتا ہے اس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلاوجہ رسوا کرنا ہے۔ (مظہری) (سورۃ النور آیت ۱۲)

(معارف القرآن حصہ ششم ص ۷۷-

ضمانت کے احکام

مسئلہ : کفالۃ بالنفس جائز ہے یعنی کسی مقدمہ میں ماخوذ انسان کو مقدمہ کی تاریخ پر حاضر کرنے کی ضمانت لینا درست ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ صرف مالی ضمانت کو جائز رکھتے ہیں نفس انسانی کی ضمانت کو جائز نہیں رکھتے۔

(سورہ یوسف آیت ۶۶) (معارف القرآن ص ۹۴ ج ۵)

باب

القضاء

جانور دوسرے آدمی کی جان یا مال کو نقصان پہنچادیں تو فیصلہ کیا ہونا چاہئے؟

حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جانور کے مالک پر ضمان آئے گا۔ اگر یہ واقعہ رات میں ہوا ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ داؤد علیہ السلام کی شریعت کا جو فیصلہ ہو وہی شریعت محمدیہ میں رہے اس لیے اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر رات کے وقت کسی کے جانور کسی دوسرے کے کھیت میں داخل ہو کر نقصان پہنچادیں۔ تو جانور کے مالک پر ضمان آئے گا اور اگر دن میں ایسا ہو تو ضمان نہیں آئے گا۔ ان کا استدلال حضرت داؤد کے فیصلہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ مگر شریعت محمدیہ کے اصول کے تحت انہوں نے ایک حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔ جو مؤطا امام ملک میں مرسلاً منقول ہے کہ حضرت براء بن عازب کی ناقہ ایک شخص کے باغ میں داخل ہو گئی اور اس کو نقصان پہنچادیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغوں اور کھیتوں کی حفاظت رات میں ان کے مالکوں کے ذمہ ہے۔ اور ان کی حفاظت کے باوجود اگر رات کو کسی کے جانور نقصان پہنچادیں تو جانور کے مالک پر ضمان ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ اور فقہاء کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ جس وقت جانوروں کے ساتھ ان کا چرانے والا یا حفاظت کرنے والا کوئی آدمی موجود ہو۔ اس نے

غفلت کی اور جانوروں نے کسی کے باغ یا کھیت کو نقصان پہنچادیا اس صورت میں تو جانور کے مال پر ضمان آتا ہے۔ خواہ یہ معاملہ رات میں ہو یا دن میں ہو اور اگر مالک یا محافظ جانوروں کے ساتھ نہ ہوں جانور خود ہی نکل گئے اور کسی کے کھیت کو نقصان پہنچادیا تو جانور کے مالک پر ضمان نہیں۔ معاملہ دن اور رات کا اس میں بھی برابر ہے۔ امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے۔ جو بخاری و مسلم اور تمام محدثین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جرح العجماء جبار یعنی جانور جو کسی کو نقصان پہنچادے وہ قابل مواخذہ نہیں۔ یعنی جانور کے مالک پر اس کا ضمان نہیں ہے۔ بشرطیکہ جانور کا مالک یا محافظ اس کے ساتھ نہ ہو جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ اس حدیث میں دن رات کی تفریق کے بغیر عام قانون شرعی یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر جانور کے مالک نے خود اپنے قصد و ارادے سے کسی کے کھیت میں نہیں چھوڑا جانور بھاگ کر چلا گیا۔ تو اس کے نقصان کا ضمان جانور کے مالک پر نہیں ہوگا۔ اور حضرت براء بن عازب کے واقعہ کی روایت کی سند میں فقہاء حنفیہ نے کلام کیا ہے۔ اور فرمایا کہ اس کو صحیحین کی حدیث مذکور کے مقابلے میں حجت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم۔

(سورۃ الانبیاء آیت ۷۸ تا ۸۲) معارف القرآن حصہ ششم ص ۲۱۰ تا ۲۱۱

کیا کسی قاضی کا فیصلہ توڑا یا بدلا جا سکتا ہے؟

اگر کسی قاضی نے نصوص شرعیہ اور جمہور امت کے خلاف کوئی غلط فیصلہ محض اٹکل سے دیدیا ہے تو وہ فیصلہ باتفاق امت مردود و باطل ہے دوسرے قاضی کو اس کے خلاف فیصلہ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب اور اس قاضی کا معزول کرنا واجب ہے لیکن اگر ایک قاضی کا فیصلہ شرعی اجتہاد پر مبنی اور اصول اجتہاد کے ماتحت تھا تو کسی دوسرے قاضی کو اس فیصلہ کا توڑنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کیا جائے گا تو فساد عظیم ہوگا اور اسلامی قانون ایک کھیل بن جائے اور روز حلال و حرام بدلا کریں گے۔ البتہ اگر خود اسی فیصلہ دینے والے قاضی کو بعد اس کے کہ اصول اجتہاد کے تحت وہ ایک فیصلہ نافذ کر چکا تھا اب از روئے اجتہاد یہ نظر آئے کہ پہلے فیصلہ اور پہلے اجتہاد میں غلطی ہو گئی ہے تو اس کا بدلنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۷۸) (معارف القرآن ج ۶ ص ۲۰۸)

باب

الصّید

شکار حلال ہونے کے چار شرائط

اول:۔ یہ کہ کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور سکھانے سدھانے کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے۔ خود اس کو نہ کھانے لگے۔ اور باز کے لیے یہ اصول مقرر کیا کہ جب تم اس کو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو۔ جب یہ شکاری جانور ایسے سدھ جائیں تو اس سے ثابت ہوگا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمہارے لیے کرتے ہیں اپنے لیے نہیں اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود تمہارا شکار سمجھا جائے گا۔ اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں۔ مثلاً کتا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمہارے بلانے پر واپس نہ آئے وہ شکار تمہارا نہیں اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے:۔ کہ تم فوراً اپنے ارادہ سے کتے یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑو۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کرلیں۔

تیسری شرط یہ ہے:۔ کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمہارے پاس

لے آئیں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمہارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ بغیر ذبح کے تمہارے لیے حلال نہ ہوگا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کردے۔ اس شرط کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔

مسئلہ: یہ حکم ان وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں۔ اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قابو میں کرلیا ہے تو وہ بغیر باقاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہوگا۔ مگر شکار کے پیچھے لگ کر نماز اور ضروری احکام شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔

(سورۃ المائدہ آیت ۴) معارف القرآن حصہ سوم ص ۴۰ تا ۴۱

شکار سے متعلّق مسائل

مسئلہ: صید جو کہ حرم اور احرام میں حرام ہے عام ہے خواہ ماکول یعنی جانور ہو یا غیر ماکول (یعنی حرام) (الاطلاق الاٰیۃ)

مسئلہ: صید یعنی شکار، ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں۔ عادۃ انسانوں کے پاس نہ رہتے ہوں، پس جو خلقاً اہلی ہوں جیسے بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ، ان کا ذبح کرنا اور کھانا درست ہے۔

مسئلہ: البتہ جو دلیل سے مستثنیٰ ہو گئے ہیں۔ ان کو پکڑنا، قتل کرنا حرام ہے جیسے دریائی جانور کا شکار لقولہ تعالیٰ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ اور بعضے خشکی کے جانور جیسے کوا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا اسی طرح جو درندہ خود حملہ کرے اس کا قتل بھی جائز ہے، حدیث میں ان کا استثناء مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ الصید میں الف لام عہد کا ہے۔

مسئلہ : جو حلال شکار غیر احرام اور غیر حرم میں کیا جائے اس کا کھانا محرم کو جائز ہے جب یہ اس کے قتل وغیرہ میں معین یا مشیر یا بتلانے والا نہ ہو، حدیث میں ایسا ہی ارشاد ہے۔

مسئلہ : شکار حرم کو جس طرح قصداً قتل کرنے پر جزا واجب ہے اسی طرح خطاء و نسیان میں بھی واجب ہے۔ (اخرجہ الروح)

مسئلہ : جیسا پہلی بار میں جزا واجب ہے۔ اسی طرح دوسری تیسری بار قتل کرنے میں بھی واجب ہے۔

مسئلہ : حاصل جزاء کا یہ ہے کہ جس زمان اور جس مکان میں یہ جانور قتل ہوا ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ دو عادل شخص سے اور جائز یہ بھی ہے کہ ایک ہی عادل شخص سے اس جانور کی قیمت تخمینہ کرائے پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ مقتول جانور اگر غیر ماکول ہے تب تو یہ قیمت ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی اور اگر وہ جانور ماکول تھا تو جس قدر تخمینہ ہوگا۔ وہ سب واجب ہوگا۔ اور دونوں حال میں آگے اس کو تین صورتوں میں اختیار ہے خواہ تو اس قیمت کا کوئی جانور حسب شرائط قربانی کے خرید لے۔ اور حدود حرم کے اندر ذبح کر کے فقراء کو بانٹ دے۔ اور یا اس قیمت کے برابر غلہ حسب شرائط صدقہ فطر کے فی مسکین نصف صاع فقراء کو دیدے اور یا بحساب فی مسکین نصف صاع جتنے مساکین کو وہ غلہ پہنچ سکتا ہو اتنے شمار سے روزے رکھ لے اور تقسیم غلہ اور روزوں میں حرم کی قید نہیں۔ اور اگر قیمت نصف صاع سے بھی کم واجب ہوئی ہے تو اختیار ہے۔ خواہ ایک مسکین کو دیدے یا کہ روزہ رکھ لے اسی طرح اگر فی مسکین نصف صاع دے کر نصف صاع سے کم بچ گیا۔ تو بھی یہی اختیار ہے کہ خواہ وہ بقیہ ایک مسکین کو دیدے یا ایک روزہ رکھ لے۔ نصف صاع کا وزن ہمارے وزن کے اعتبار سے پونے دو سیر ہوتا ہے۔

مسئلہ : تخمینہ مذکور میں جتنے مساکین کا حصہ قرار پاوے اگر ان کو دو وقت کھانا شکم سیر کر کے کھلاوے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ : اگر اس قیمت کے برابر ذبح کے لیے جانور تجویز کیا۔ مگر کچھ قیمت بچ گئی تو

اس بقیہ میں اختیار ہے۔ خواہ دوسرا جانور خریدے یا اس کا غلہ دیدے۔ یا غلہ کے حساب سے روزے رکھ لے۔ جس طرح قتل میں جزاء واجب ہے۔ اسی طرح ایسے جانور کو زخمی کرنے میں بھی تخمینہ کرایا جائے گا کہ اس سے جانور کی کس قدر قیمت کم ہو گئی اس مقدار قیمت میں پھر وہی تین مذکورہ صورتیں جائز ہوں گی۔

مسئلہ : محرم کو جس جانور کا شکار کرنا حرام ہے۔ اس کا ذبح کرنا بھی حرام ہے۔ اگر اس کو ذبح کرے گا۔ تو اس کا حکم مردار کا سا ہو گا۔

(وفی لا تقتلوا اشارۃ الی ان ذبحہ کالقتل)

مسئلہ : اگر جانور کے قتل ہونے کی جگہ جنگل ہے تو جو آبادی اس سے قریب ہو وہاں کے اعتبار سے تخمینہ کیا جائے گا۔

مسئلہ : اشارہ و دلالت و اعانت شکار میں مثل شکار کرنے کے حرام ہے۔

(سورۃ المائدہ آیت ۹۵'۹۶) معارف القرآن حصہ سوم ص ۲۳۴ تا ۲۳۵

باب

الحظر والاباحة

سیاستہً اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنے کا حکم

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود خود اکیلے ہونے کے اپنے لئے جمع کا صیغہ شاہانہ محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ رعایا پر رعب پڑے اور رعایا اطاعت خداوندی اور اطاعت سلیمان علیہ السلام میں سستی نہ کریں۔ اسی طرح امراء حکام اور افسران کو اپنی رعایا کی موجودگی میں اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں جب کہ وہ سیاستہً اور اظہار نعمت کی غرض سے ہو تکبر و تعلی کے لئے نہ ہو۔ (سورۃ النمل آیت ۲۱) (معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۵۴)

جو جانور کام میں سستی کرے اس کو معتدل سزا دینا جائز ہے

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حق تعالیٰ نے جانوروں کو ایسی سزائیں دینا حلال کردیا تھا جیسا عام امتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کرکے ان کے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اٹھانا اب بھی حلال ہے۔ اسی طرح پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے تو اس کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت مارنے کی معتدل سزا اب بھی جائز ہے۔ دوسرے جانوروں کو سزا دینا ہماری شریعت میں

ممنوع ہے۔(قرطبی)(سورۃ النمل آیت ۱۲) (معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۷۱)

قمری حساب کو باقی رکھنا واجب ہے

اس لئے کہ احکام اسلامیہ میں قمری سن اور مہینہ اور تاریخوں کا اعتبار کیا گیا ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عدّت وغیرہ اسلامی فرائض واحکام میں قمری حساب ہی رکھا گیا ہے فقہاء نے قمری حساب کو باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

اس کے معنی یہ نہیں کہ شمسی حساب رکھنا ناجائز ہے بلکہ اپنے کاروبار تجارت میں شمسی استعمال کر سکتا ہے۔(ملخصاً سورہ یونس آیت ۵) (معارف القرآن ج ۴ ص ۵۰۷)

بلا ضرورت عمارت بنانا مذموم ہے

بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً برا ہے۔

(سورۃ الشعراء آیت ۱۲۸) (معارف القرآن ج ۶ ص ۵۳۷)

مفید پیشوں کو گناہ کے استعمال میں لانا ناجائز ہے

عمدہ پیشے خدا تعالیٰ کے انعامات ہیں اور ان سے نفع اٹھانا جائز ہے لیکن اگر ان سے کوئی گناہ یا حرام فعل یا بلا ضرورت ان میں انہماک لازم آتا ہو تو پھر وہ پیشہ اختیار کرنا ناجائز ہے(سورۃ الشعراء آیت ۱۴۹) (معارف القرآن ج ۶ ص ۵۴۰)

کسی کافر کے لئے استغفار کرنا ممنوع ہے

مسئلہ: کسی کافر کیلئے استغفار کرنا شرعاً ناجائز و ممنوع ہے۔(سورہ مریم آیت ۴۷) (معارف القرآن ج ۶ ص ۳۶)

خون کے بعض احکام

مسئلہ : جب کہ حرام صرف بہنے والا خون ہے تو جو خون ذبح کے بعد گوشت میں رہ جاتا ہے۔ وہ پاک ہے۔ فقہاء و صحابہ و تابعین اور امت کا اس پر اتفاق ہے۔ اسی طرح مچھر، مکھی، کھٹمل وغیرہ کا خون بھی ناپاک نہیں۔ لیکن زیادہ ہو جائے۔ تو اس کو بھی دھونا چاہئے۔ (جصاص)

مسئلہ : جس طرح خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ اسی طرح اس کا خارجی استعمال بھی حرام ہے اور جس طرح تمام نجاسات کی خرید و فروخت بھی اور اس سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ اس طرح خون کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اور اس سے حاصل کی ہوئی آمدنی بھی حرام ہے۔ کیونکہ الفاظ قرآنی میں مطلقاً دم کو حرام فرمایا ہے۔ جس میں اس کے استعمال کی تمام صورتیں شامل ہیں۔ اس سے عام حالات میں انتقال خون ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ البتہ دوا علاج کے طور پر اضطراری حالت میں کسی انسان کا خون دوسرے میں منتقل کرنا اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے جس میں مضطر کے لئے مردار کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحۃً مذکور ہے۔ اور اضطراری حالت کا مطلب یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کیلئے مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو۔ اور جب یہ حالت نہ ہو تو اس وقت محض ایک دوا کے طور پر خون دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ اعضاء انسانی کی پیوند کاری) (البقرہ آیت ۱۷۳) (معارف القرآن حصہ اول ص ۴۱۹)

میتہ کے بارے میں مسائل

مسئلہ : بندوق کی گولی سے کوئی جانور زخمی ہو کر قبل ذبح مرجائے تو وہ ایسا ہے جیسے پتھر یا لاٹھی مارنے سے مرجائے۔ جس کو قرآن کریم کی دوسری آیت میں موقوذۃ کہا گیا ہے۔ اور حرام قرار دیا ہے۔ ہاں مرنے سے پہلے اس کو ذبح کرلیا جائے گا۔

مسئلہ : آج کل بندوق کی ایک گولی نوکدار بنائی گئی ہے۔ اس کے متعلق بعض

علماء کا خیال ہے کہ تیر کے حکم میں ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ بھی تیر کی طرح آلہ جارحہ نہیں بلکہ خارقہ ہے۔ جس سے بارود کی طاقت کے ذریعہ گوشت پھٹ جاتا ہے ورنہ خود اس میں کوئی دھار نہیں جس سے جانور زخمی ہو جائے اس لئے ایسی گولی کا شکار بھی بغیر ذبح کے جائز نہیں۔

مسئلہ : آیت مذکورہ میں مطلقاً میتہ کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے جس طرح اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔ اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے یہی حکم تمام نجاسات کا ہے کہ جیسے ان کا استعمال حرام ہے ان کی خرید و فروخت اور ان سے نفع بھی حرام ہے۔ یہاں تک کہ مردار جانور یا ناپاک کو چیز باختیار خود جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں۔ ہاں ایسی جگہ رکھ دے جہاں سے کوئی کتا بلی خود کھالے۔ یہ جائز ہے۔ مگر خود اٹھا کر ان کو کھلانا جائز نہیں (جصاص قرطبی وغیرہ)

مسئلہ : مردار جانور کے وہ اجزاء حرام ہیں۔ جو کھانے کے قابل ہیں اس لئے مردار جانور کی ہڈی۔ بال جو کھانے کی چیز نہیں وہ پاک ہیں۔ اور ان کا استعمال جائز ہے۔ آیت قرآن کریم وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○ میں ان جانوروں کے بالوں کو مطلقاً جائز الانتفاع قرار دیا ہے۔ ذبیحہ کی شرط نہیں۔ (جصاص) کھال پر چونکہ خون وغیرہ کی نجاست لگی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ دباغت سے پہلے حرام ہے۔ مگر دباغت دینے کے بعد حلال اور جائز ہے۔ احادیث صحیح میں اس کی مزید تصریح موجود ہے۔ (جصاص)

مسئلہ : مردار جانور کی چربی اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں۔ ان کا استعمال کسی طرح جائز نہیں۔ اور خرید و فروخت بھی حرام ہیں۔

مسئلہ : یورپ وغیرہ سے آئی ہوئی چیزیں صابون وغیرہ جن میں چربی استعمال ہوتی ہے ان سے پرہیز کرنا احتیاط ہے مگر مردار کی چربی ہونے کا علم یقینی نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرامؓ ابن عمرؓ ابو سعید خدریؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے خارجی استعمال کی اجازت دی ہے۔ اس لئے اس کی خرید و فروخت کو بھی جائز رکھا ہے (جصاص)

ہے (جصاص)

مسئلہ: دودھ کا پنیر بنانے میں ایک چیز استعمال کی جاتی ہے جس کو عربی زبان میں اِنفحہ کہا جاتا ہے۔ یہ جانور کے پیٹ سے نکالی جاتی ہے۔ اس کو دودھ میں شامل کرنے سے دودھ جم جاتا ہے۔ اب اگر یہ جانور اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں مذبوح جانور کا گوشت چربی وغیرہ سب حلال ہیں لیکن غیر مذبوح جانور کے پیٹ سے لیا جائے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اس کو پاک قرار دیتے ہیں۔ لیکن صاحبین امام ابو یوسفؒ و محمدؒ اور ثوری وغیرہ اس کو ناپاک کہتے ہیں (جصاص، قرطبی)

یورپ اور دوسرے غیر اسلامی ملکوں سے جو پنیر بنا ہوا آتا ہے۔ اس میں غیر مذبوح جانوروں کا انفحہ استعمال ہونے کا احتمال غالب ہے۔ اس لئے جمہور فقہاء کے قول پر اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے قول پر گنجائش ہے۔ ہاں یورپ سے آئے ہوئے بعض پنیر ایسے بھی ہیں جن میں خنزیر کی چربی استعمال ہوتی ہے۔ اور ڈبہ پر لکھا ہوا ہوتا ہے وہ قطعاً حرام اور نجس ہے۔ (البقرۃ آیت ۱۷۳)

معارف القرآن حصہ اول ص ۴۱۸ تا ص ۴۱۹

اوقاف اور دوسری ملکی اور ملّی خدمات کا معاوضہ

مسئلہ: جو لوگ اوقاف کے نگران ہیں۔ یا مساجد و مدارس کے منتظم ہیں یا مسلم حکومتوں کے اداروں کے ذمہ دار ہیں یا ایسی ہی دوسری ملکی ملی خدمات جن کا انجام دینا فرض کفایہ ہے ان پر مامور ہیں۔ ان حضرات کے لئے بھی اعلیٰ اور افضل یہ ہے کہ اگر اپنے پاس اتنا اثاثہ ہو اور وہ اپنے بچوں کے ضروری اخراجات پورے کر سکتے ہوں۔ تو ان اداروں سے اور حکومت کے بیت المال سے کچھ بھی نہ لیں۔ لیکن اگر اپنے پاس گزارہ کے لئے مال موجود نہ ہو اور کسب کے اوقاف ان کاموں میں مشغول ہو جاتے ہوں تو بقدر ضرورت ان اداروں سے مال لے لینے کا اختیار ہے۔ مگر قدر ضرورت کا لفظ پیش نظر رہے۔ بہت سے لوگ ضابطہ کے طور پر کاغذی خانہ پوری کے لئے اپنا ماہانہ کچھ حصہ

مقرر کر لیتے ہیں۔ لیکن مختلف طریقوں سے اس سے کہیں زیادہ بے احتیاطی کے سا
اپنی ذات پر اور بال بچوں پر خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس بے احتیاطی کا مداوی
خوف الٰہی کے کچھ نہیں جسے اللہ کے محاسبہ کا خیال ہو۔ وہی ناجائز مال سے بچ سکتا ہے

(سورہ نساء آیت ۶) معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۰۶ تا ۳۰۷

باب

الاکل والشرب

کھانا پینا بقدر ضرورت فرض ہے

اول یہ کہ کھانا پینا شرعی حیثیت سے بھی انسان پر فرض ولازم ہے۔ باوجود قدرت کے کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ مرجائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ واجبات بھی ادا نہ کرسکے تو یہ شخص عنداللہ مجرم وگناہگار ہوگا۔

اشیاء عالم میں اصل اباحت وجواز ہے جب تک کسی دلیل سے حرمت ممانعت ثابت نہ ہو کوئی چیز حرام نہیں ہوتی

دنیا میں جتنی چیزیں کھانے پینے کی ہیں۔ اصل ان میں یہ ہے کہ وہ سب جائز حلال ہیں۔ جب تک کسی خاص چیز کی حرمت ممانعت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ہر چیز کو جائز و حلال سمجھا جائے گا۔ اس کی طرف اشارہ اس بات سے ہوا کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کا مفعول ذکر نہیں فرمایا کہ کیا چیز کھاؤ پیو اور علماء عربیت کی تصریح ہے کہ ایسے موقع پر مفعول ذکر نہ کرنا اس کے عموم کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے کہ ہر چیز کھاپی

سکتے ہو. بجز ان اشیاء کے جن کو بالتصریح حرام کردیا گیا ہے۔

(احکام القرآن جصاص)

کھانے پینے میں اسراف جائز نہیں

کھانے پینے کی تو اجازت ہے بلکہ حکم ہے مگر ساتھ ہی اسراف کرنے کی ممانعت ہے۔

اسراف کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا' پھر حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں' ایک یہ کہ حلال سے تجاوز کرکے حرام تک پہنچ جائے اور حرام چیزوں کو کھانے پینے اور برتنے لگے۔ اس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

ایک آیت سے آٹھ مسائل شرعیہ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کے کلمات سے آٹھ مسائل شرعیہ نکلے اول یہ کہ کھانا پینا بقدر ضرورت فرض ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تک کسی چیز کی حرمت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ہر چیز حلال ہے تیسرے یہ کہ جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع کردیا۔ ان کا استعمال اسراف اور ناجائز ہے چوتھے یہ کہ جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں ان کو حرام سمجھنا بھی اسراف اور سخت گناہ ہے۔ پانچویں یہ کہ پیٹ بھر جانے کے بعد اور کھانا ناجائز ہے۔ چھٹے یہ کہ اتنا کم کھانا جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے ساتویں یہ کہ ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے۔ آٹھویں یہ کہ جب کسی چیز کو جی چاہے تو ضروری اس کو حاصل کرے۔ یہ تو اس آیت کے فوائد دینیا ہیں' اور اگر طبی طور پر غور کیا جائے۔ تو صحت و تندرستی کے لیے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں' کھانے پینے میں اعتدال ساری بیماریوں سے امان ہے۔

(سورۃ الاعراف آیت ۳۱) معارف القرآن ج ۳ ص ۵۴۳ تا ۵۴۴

○☆○

کھانے پینے کے مسنون احکام

مسئلہ : لذیذ اور شیریں کھانے کا استعمال زہد کے خلاف نہیں ہے جبکہ اس کو حلال طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو اور اس میں اسراف اور فضول خرچی نہ کی گئی ہو۔ ایسا ہی حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے (قرطبی)

مسئلہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کوئی کھانا کھاؤ تو یہ کہو اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ اور جب دودھ پیو تو یہ کہو اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ اس سے بہتر کا سوال اس لیے نہیں کیا کہ انسانی غذا میں دودھ سے بہتر کوئی دوسری غذا نہیں ہے اس سے قدرت نے ہر انسان و حیوان کی پہلی غذا دودھ ہی بنائی ہے۔ جو ماں کی چھاتیوں سے اسے ملتی ہے۔ (سورہ نحل آیت ۶۶)

(معارف القرآن ج ۵ ص ۳۴۶)

مسئلہ : قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ کھانے پینے اور تمام کاموں میں سنت اھل جنت کے اس عمل کے مطابق یہ ہے کہ بسم اللہ سے شروع کرے اور الحمد اللہ پر ختم کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ جب کوئی چیز کھائے پئے تو بسم اللہ سے شروع کرے اور فارغ ہو کر الحمد اللہ کہے۔

مستحب ہے کہ دعا کرنے والا آخر میں یہ کہا کرے وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور قرطبی نے فرمایا کہ سورہ صٰفٰت کی آخری آیتیں بھی پڑھے یعنی سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورہ یونس آیت ۱۰) (معارف القرآن ص ۵۱۴ ج ۴)

دعوت طعام اور مہمان کے بعض آداب

مسئلہ : یہ عام حالات میں ہے۔ جہاں عادۃً مہمانوں کا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا میزبان کے لیے باعث کلفت ہو۔ خواہ اس لیے کہ وہ فارغ ہو کر اپنے دوسرے

کاموں میں لگنا چاہتا ہے' یا اس لیے کہ ان کو فارغ کر کے دوسرے مہمانوں کو کھلانا مقصود ہے اور جہاں حالات اور عادت سے یہ معلوم ہو کہ کھانے کے بعد مہمانوں کا دیر تک باہمی باتوں میں مشغول رہنا میزبان کے لیے موجب کلفت نہیں' وہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔ جیسا کہ آج کل پارٹیوں اور دعوتوں میں عام ہو گیا ہے۔

مسئلہ : مہمانوں کے اکرام اور خاطرداری کا کتنا بڑا اہتمام معلوم ہوا کہ اگرچہ مہمانی کے آداب سکھانا آپؐ کے فرائض میں تھا۔ مگر اپنا مہمان ہونے کی حالت میں آپؐ نے اس کو بھی مؤخر کیا۔ یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ نے قرآن میں یہ آداب سکھانے کا اہتمام فرمایا۔ (سورہ احزاب آیت ۵۳' ۵۴) (معارف القرآن ج ۷ ص ۱۹۹)

کچھ آداب مہمانی و میزبانی

ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس آیت (الذاریات آیت ۲۴ تا ۲۷) میں مہمان کے لیے چند آداب میزبانی کی تعلیم ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلے مہمانوں سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کے لیے کھانا لاتا ہوں بلکہ چپکے سے کھسک گئے اور ان کی مہمانی کے لیے' اپنے پاس جو سب سے اچھی چیز کھانے کی تھی یعنی بچھڑا ذبح کیا' اس کو بھونا اور لے آئے اور دوسرے یہ کہ لانے کے بعد مہمانوں کو اس کی تکلیف نہیں دی کہ ان کو کھانے کی طرف بلاتے۔ بلکہ جہاں وہ بیٹھے تھے وہیں لا کر ان کے سامنے پیش کر دیا (فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ) تیسرے یہ کہ مہمانی پیش کرنے کے وقت انداز گفتگو میں کھانے پر اصرار نہ تھا بلکہ فرمایا (اَلَا تَاْكُلُوْنَ) کیا آپ کھائیں گے نہیں۔ اشارہ اس طرف ہوا کہ اگرچہ آپ کو حاجت نہ ہو مگر ہماری خاطر سے کچھ کھائیے۔

(سورۂ ذریٰت آیت ۲۴ تا ۳۰) (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۶۸)

جس شہر میں حرام کھانے کی اکثریت ہو وہاں کیا کرے

مسئلہ : جس شہر یا جس بازار' ہوٹل میں اکثریت حرام کھانے کی ہو وہاں کا کھانا بغیر

تحقیق کے کھانا جائز نہیں۔(سورۂ کہف آیت ۲۰)(معارف القرآن ج پنجم ص ۵۶۰)

غیراللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے

وہ جانور جو غیراللہ کے لیے نامزد کردیا گیا ہو۔اس کی تین صورتیں متعارف ہیں۔

ول:۔ یہ کہ کسی جانور کو غیراللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اسی غیراللہ کا نام لیا جائے یہ صورت باتفاق و باجماع امت حرام ہے اور یہ جانور میتہ ہے اس کے کسی جزو سے انتفاع جائز نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیراللہ کے لیے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے تقرب الی غیراللہ مقصود ہو لیکن بوقت ذبح اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے۔ جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں پیروں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بکرے، مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں لیکن ذبح کی وقت اس پر اللہ ہی کا نام پکارتے ہیں۔یہ صورت بھی باتفاق فقہاء حرام اور مذبوحہ مردار ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو کان کاٹ کر یا کوئی دوسری علامت لگا کر تقرب الی غیراللہ اور تعظیم غیراللہ کے لیے چھوڑ دیا جائے نہ اس سے کام لیں نہ اس کے ذبح کرنے کا قصد ہو بلکہ اس کے ذبح کرنے کو حرام جانتیں اس قسم کے جانور کو بحیرۃ یا سائبہ کہا جاتا ہے ان کا یہ فعل تو بنص قرآن حرام ہے مگر ان کے اس حرام عمل سے اس جانور کو حرام سمجھنے کے عقیدہ سے یہ جانور حرام نہیں ہوتا۔بلکہ اس کو حرام سمجھنے میں ان کے عقیدہ باطلہ کی تائید و تقویت ہوتی ہے اس لیے یہ جانور عام جانوروں کی طرح حلال ہے۔

مگر شرعی اصول کے مطابق یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوا اسی کا مملوک ہے اگرچہ وہ اپنے غلط عقیدے سے سمجھتا ہے کہ میری ملک سے نکل کر غیراللہ کے لیے وقف ہو گیا مگر شرعاً اس کا یہ عقیدہ باطل ہے اور یہ جانور بدستور اس کی ملک ہے۔اب اگر وہ شخص خود اس جانور کو کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا ہبہ کردے تو اس کے لیے حلال ہے۔

بعض جاہل مسلمان بھی بعض مزارات پر ایسا عمل کرتے ہیں کہ بکرا یا مرغا چھوڑ دیتے ہیں اور مزارات کے مجاورین کو اختیار دیتے ہیں وہ ان کو فروخت کر دیتے ہیں تو جو لوگ ان جانوروں کو ان لوگوں سے خریدیں جن کو اصل مالک نے اختیار دیا ہے ان کے لیے ان کا خریدنا اور ذبح کر کے کھانا اور فروخت کرنا سب حلال ہے۔

نذر لغیر اللہ کا مسئلہ:۔ حیوانات کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً مٹھائی وغیرہ جن کو غیر اللہ کے نام پر نذر (منت) کے طور سے، ہندو لوگ بتوں پر اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں۔ حضرات فقہاء نے اس کو بھی اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ کے حکم میں قرار دے کر حرام کہا ہے اور اس کے کھانے پینے، دوسروں کو کھلانے اور بیچنے..... خریدنے سب کو حرام کہا ہے۔ کتب فقہ بحرالرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں یہ مسئلہ قیاسی ہے جس کو نص قرآن متعلقہ حیوانات پر قیاس کیا گیا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اضطراری و مجبوری کے احکام:۔ مضطر شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو۔ معمولی تکلیف یا ضرورت سے مضطر نہیں کہا جا سکتا۔ جو شخص بھوک سے ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی اس کے لیے دو شرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزیں کھا لینے کی گنجائش دی گئی ہے ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لیے کافی ہو پیٹ بھر کر کھانا یا قدر ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

قرآن عزیز نے اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے کھانے کو لَآ اِثْمَ عَلَیْهِ فرمایا مطلب یہ کہ یہ چیزیں تو اپنی جگہ اب بھی حرام ہیں مگر اس کھانے والے سے بوجہ اضطرار کے استعمال حرام کا گناہ معاف کر دیا گیا۔

حالت اضطرار میں دوا کے طور پر حرام چیزوں کا استعمال

ہر حرام و ناپاک دوا کا استعمال خواہ کھانے پینے میں ہو یا خارجی استعمال میں، ان پانچ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو۔
(۲) کوئی دوسری حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔
(۳) اس دوا سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو۔
(۴) اس کے استعمال سے....... لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔
(۵) قدر ضرورت سے زائد اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

عام علاج یا بیماری میں حرام چیز کا استعمال

اکثر فقہاء نے فرمایا کہ بغیر اضطرار اور ان تمام شرائط کے جو اوپر مذکور ہوئیں حرام دوا کا استعمال جائز نہیں کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے حرام میں شفا نہیں رکھی۔

(سورۃ بقرہ آیت ۱۷۳) (معارف القرآن ص ۴۲۱ تا ۴۲۶ ج ۱)

تحریم خنزیر

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس سے مقصود لحم یعنی گوشت خنزیر کی تخصیص نہیں بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی، کھال، بال، پٹھے سب ہی باجماع امت حرام ہے لیکن لفظ لحم بڑھا کر اشارہ اس طرف ہے کہ خنزیر دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ وہ ذبح کرنے سے پاک ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ کھانا حرام ہی رہے لیکن خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس العین بھی ہے حرام بھی، صرف چمڑا سینے کے لیے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا ہے۔ (جصاص قرطبی) جلد اول ص ۴۲۱

بعض جاہل مسلمان بھی بعض مزارات پر ایسا عمل کرتے ہیں کہ بکرا یا مرغا چھوڑ دیتے ہیں اور مزارات کے مجاورین کو اختیار دیتے ہیں وہ ان کو فروخت کر دیتے ہیں تو جو لوگ ان جانوروں کو ان لوگوں سے خریدیں جن کو اصل مالک نے اختیار دیا ہے ان کے لیے ان کا خریدنا اور ذبح کر کے کھانا اور فروخت کرنا سب حلال ہے۔

نذر لغیر اللہ کا مسئلہ:۔ حیوانات کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً مٹھائی وغیرہ جن کو غیر اللہ کے نام پر نذر (منت) کے طور سے ہندو لوگ بتوں پر اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں۔ حضرات فقہاء نے اس کو بھی اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے حکم میں قرار دے کر حرام کہا ہے اور اس کے کھانے پینے دوسروں کو کھلانے اور بیچنے..... خریدنے سب کو حرام کہا ہے۔ کتب فقہ بحرالرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں یہ مسئلہ قیاسی ہے جس کو نص قرآن متعلقہ حیوانات پر قیاس کیا گیا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اضطراری و مجبوری کے احکام:۔ مضطر شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو۔ معمولی تکلیف یا ضرورت سے مضطر نہیں کہا جا سکتا۔ جو شخص بھوک سے ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی اس کے لیے دو شرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزیں کھا لینے کی گنجائش دی گئی ہے ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لیے کافی ہو پیٹ بھر کر کھانا یا قدر ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

قرآن عزیز نے اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے کھانے کو لَآ اِثْمَ عَلَيْهِ فرمایا مطلب یہ کہ یہ چیزیں تو اپنی جگہ اب بھی حرام ہیں مگر اس کھانے والے سے بوجہ اضطرار کے استعمال حرام کا گناہ معاف کر دیا گیا۔

حالت اضطرار میں دوا کے طور پر حرام چیزوں کا استعمال

ہر حرام و ناپاک دوا کا استعمال خواہ کھانے پینے میں ہو یا خارجی استعمال میں' ان پانچ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو۔
(۲) کوئی دوسری حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔
(۳) اس دوا سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو۔
(۴) اس کے استعمال سے...... لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔
(۵) قدر ضرورت سے زائد اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

عام علاج یا بیماری میں حرام چیز کا استعمال

اکثر فقہاء نے فرمایا کہ بغیر اضطرار اور ان تمام شرائط کے جو اوپر مذکور ہوئیں حرام دوا کا استعمال جائز نہیں کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اھل ایمان کے لیے حرام میں شفا نہیں رکھی۔
(سورۂ بقرہ آیت ۱۷۳) (معارف القرآن ص ۴۲۱ تا ۴۲۶ ج ۱)

تحریم خنزیر

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس سے مقصود لحم یعنی گوشت خنزیر کی تخصیص نہیں بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی، کھال، بال، پٹھے سب ہی باجماع امت حرام ہے لیکن لفظ لحم بڑھا کر اشارہ اس طرف ہے کہ خنزیر دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ وہ ذبح کرنے سے پاک ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ کھانا حرام ہی رہے لیکن خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس العین بھی ہے حرام بھی، صرف چمڑا سینے کے لیے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا ہے۔ (جصاص قرطبی) جلد اول ص ۴۲۱

باب

اللّباس

ریشم کے کپڑے مردوں کے لیے حرام ہیں

مسئلہ: اہل جنت کا لباس ریشم کا ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ ان کے تمام ملبوسات اور فرش اور پردے وغیرہ ریشم کے ہوں گے جو دنیا میں سب سے زیادہ بہتر لباس سمجھا جاتا ہے۔ اور جنت کا ریشم ظاہر ہے کہ دنیا کے ریشم سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہے۔ ورنہ اس کی عمدگی اور بہتری کو اس سے کوئی مناسبت نہیں۔

حدیث میں امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه فی الآخرة و من شرب الخمر فی الدنیا لم یشربها فی الآخرة و من شرب فی آنية الذهب و الفضة لم یشرب فیها فی الآخرة ثم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لباس اهل الجنة و شراب اهل الجنة و آنیة اهل الجنة (از قرطبی بحوالہ نسائی)

جو شخص ریشمی کپڑا دنیا میں پہنے گا۔ وہ آخرت میں نہ پہنے گا۔ اور جو دنیا میں شراب پیے گا۔ وہ آخرت کی شراب سے محروم رہے گا۔ اور جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں (کھائے) پیئے گا۔ وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھائے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تینوں چیزیں اہل جنت کے لیے مخصوص ہیں۔ (سورۃ الحج آیت ۲۳، ۲۴) معارف القرآن حصہ ششم ص ۲۵۰

باب

حقوق المعاشرت

مسلمانوں کا باہم ایک دوسرے کو سلام کرنا

مسئلہ : مسلمانوں کے باہم ایک دوسرے کا تحیہ لفظ السلام علیکم ہونا چاہئے خواہ بڑوں کی طرف سے چھوٹوں کے لیے ہو یا چھوٹے کی طرف سے بڑے کے لیے ہو۔

(سورۂ احزاب آیت ۴۴)(معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷۶)

کسی کافر کو ابتداء سلام کرنے میں آیت قرآنی اور ایک روایت کی وجہ سے فقہاء کی رائے میں اختلاف ہے۔ بعض صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قول و عمل سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز جس کی تفصیل امام قرطبی نے احکام القرآن میں سورۃ مریم کی آیت ۴۷ کے تحت لکھی ہے اس سلسلہ میں امام نخعی نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر تمہیں کسی کافر یہودی نصرانی سے ملنے کی کوئی دینی یا دنیوی ضرورت پیش آئے تو اس کو ابتدائی سلام کرنے میں مضائقہ نہیں اور بے ضرورت سلام کی ابتدا کرنے سے بچنا چاہئے۔(سورۂ مریم آیت ۴۷)(معارف القرآن ص ۳۲ ج ۷)

○☆○

سفارش پر کچھ معاوضہ لینا حرام ہے

جس سفارش پر کوئی معاوضہ لیا جائے وہ رشوت ہے۔ حدیث میں اس کو سخت و حرام فرمایا ہے۔ اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے۔ خواہ وہ مالی ہو یا یہ کہ اس کا کام کرنے کے عوض اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے۔

(سورہ نساء آیت ۸۵) معارف القرآن حصہ دوم ص ۴۹۹ تا ۵۰۰)

سفارش کی حقیقت اور اس کے احکام اور اقسام:۔ جائز سفارش کے لیے ایک تو یہ شرط ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا۔ آپ پہنچا دیں اس سے معلوم ہوا کہ خلاف حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اس کے قبول پر مجبور کرنا شفاعت سیئہ یعنی بری سفارش ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سفارش میں اپنے تعلق یا وجاہت سے طریقہ دباؤ اور اجبار کا استعمال کیا جائے تو وہ بھی ظلم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں اس لیے وہ بھی شفاعت سیئہ میں داخل ہے۔

جو شخص کسی شخص کے جائز حق اور جائز کام کے لیے جائز طریقہ پر سفارش کرے تو اس کو ثواب کا حصہ ملے گا۔ اور اسی طرح جو کسی ناجائز کام کے لیے یا ناجائز طریقہ پر سفارش کرے گا۔ اس کو عذاب کا حصہ ملے گا۔ حصہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی گئی ہے وہ جب اس مظلوم یا محروم کا کام کر دے تو جس طرح اس کام کرنے والے افسر کو ثواب ملے گا۔ اسی طرح سفارش کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا۔ اسی طرح کسی ناجائز کام کی سفارش کرنے والا بھی گنہگار ہو گا۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سفارش کرنے والے کا ثواب یا عذاب اس پر موقوف نہیں کہ اس کی سفارش مؤثر اور کامیاب بھی ہو۔ بلکہ اس کو بہرحال اپنا حصہ ملے گا۔

(سورۂ نساء آیت ۸۵) معارف القرآن ج ۲ ص ۴۹۷۔۴۹۸)

○☆○

رشوت لینا سخت حرام ہے

مسئلہ : ابن عطیہ نے فرمایا کہ جس کام کا پورا کرنا کسی شخص کے ذمہ واجب ہو اس کے پورا کرنے پر کسی سے معاوضہ لینا اور بغیر لیے نہ کرنا اللہ کا عہد توڑنا ہے۔ اسی طرح جس کام کا نہ کرنا کسی کے ذمہ واجب ہے کسی سے معاوضہ لے کر اس کو کر دینا یہ بھی اللہ کا عہد توڑنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشوت کی مروجہ سب قسمیں حرام ہیں جیسے کوئی سرکاری ملازم کسی کام کی تنخواہ حکومت سے پاتا ہے تو اس نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ یہ تنخواہ لے کر مفوضہ خدمت پوری کروں گا۔ اب اگر وہ اس کے کرنے پر کسی سے معاوضہ مانگے اور بغیر معاوضہ اس کو ٹلائے تو یہ عہد اللہ کو توڑ رہا ہے۔ اسی طرح جس کام کا اس کو محکمہ کی طرف سے اختیار نہیں ہے اس کو لے کر ڈالنا اللہ سے بھی عہد شکنی ہے۔ (سورہ نحل آیت ۹) (معارف القرآن ج ۵ ص ۳۸۴)

کسی قسم کے دباؤ کے ساتھ چندہ یا ہدیہ بھی طلب کرنا غضب ہے

مسئلہ : اگر کوئی آدمی کسی سے اس طرح کوئی چیز مانگے کہ مخاطب راضی ہو یا ناراض۔ لیکن اس کے پاس دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو اس طرح ہدیہ طلب کرنا بھی غصب میں داخل ہے۔ لہٰذا اگر مانگنے والا کوئی صاحب اقتدار یا ذی وجاہت شخص ہو اور مخاطب اس کی شخصیت کے دباؤ کی وجہ سے انکار نہ کر سکتا ہو۔ تو وہاں صورت چاہے ہدیہ طلب کرنے کی ہو۔ لیکن حقیقت میں وہ غصب ہی ہوتا ہے اور مانگنے والے کے لیے اس طرح حاصل کی ہوئی چیز کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ خاص طور پر ان لوگوں کے بہت توجہ کرنے کا ہے جو مدارس مکاتب مسجد یا انجمنوں اور جماعتوں کے لیے چندے وصول کرتے ہیں۔ صرف وہ چندہ حلال طیب ہے۔ جو دینے والے نے اپنے مکمل اختیار اور خوش دلی کے ساتھ دیا ہو اور اگر چندہ کرنے والوں نے اپنی شخصیت کا دباؤ

ڈال کریا بیک وقت آٹھ دس آدمیوں نے کسی ایک شخص کو زچ کر کے چندہ وصول کر لیا' تو یہ صریح ناجائز فعل ہے۔(سورہ ص آیت ۲۴)(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۵۰۴ تا ۵۰۵)

ہدیہ دینے اور لینے کے احکام

مسئلہ : ہدیہ اور ہبہ دینے والے کو اسپر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا۔ یہ تو ایک بہت مذموم حرکت ہے۔ لیکن بطور خود جس شخص کو کوئی ہبہ عطیہ کسی دوست عزیز کی طرف سے ملے اس کے لیے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ جب بھی اس کو موقع ملے اس کی مکافات کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جو شخص آپؐ کو کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپؐ بھی اس کو ہدیہ دیتے تھے۔ (کذا روی عن عائشہؓ) (قرطبی) ہاں اس مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے ہدیہ کا بدلہ دے رہا ہے۔(سورہ روم آیت ۳۹)معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۰۷

مسئلہ : اگر دوسرے شخص کا مال یا کوئی چیز اپنے سامان میں نکلے اور قرائن قویہ اس پر شاہد ہوں کہ اس نے بالقصد ہمیں دینے ہی کے لیے ہمارے سامان میں باندھ دیا ہے تو اس کو اپنے لیے رکھنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے جیسے یہ پونجی جو برادران یوسف علیہ السلام کے سامان سے برآمد ہوئی اور قرائن قویہ اس پر شاہد تھے کہ کسی بھول سے یا نسیان سے ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ قصداً اس کو واپس دے دیا ہے اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس رقم کی واپسی کی ہدایت نہیں فرمائی لیکن جہاں یہ اشتباہ موجود ہو کہ شاید بھولے سے ہمارے پاس آگئی وہاں مالک سے تحقیق اور دریافت کئے بغیر اس کا استعمال جائز نہیں۔(سورہ یوسف آیت ۶۵)(معارف القرآن ج ۵ ص ۹۴)

کسی کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ

ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں۔ (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو۔

مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر و فساد و اس کے ذریعہ دفع کیا جا سکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ (سورۃ النمل آیت ۳۶) معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۸۱

والدین کے لیے دعائے رحمت

مسئلہ : والدین اگر مسلمان ہوں تو ان کے لیے رحمت کی دعا ظاہر ہے لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان کی زندگی میں یہ دعا اس نیت سے جائز ہو گی کہ ان کو دنیوی تکلیف سے نجات ہو اور ایمان کی توفیق ہو مرنے کے بعد ان کے لیے دعاء رحمت جائز نہیں (قرطبی ملخصاً) (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۴) معارف القرآن حصہ پنجم ص ۴۵۵

والدین کی اطاعت فرض ہے مگر حکم الٰہی کے خلاف جائز نہیں

والدین اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے پر مجبور کرنے لگیں تو اس معاملہ میں والدین کا کہنا ماننا بھی جائز نہیں۔

ماں باپ شرک و کفر پر مجبور کریں تو اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ان کا کہنا نہ مانو۔ اس میں امکان تھا کہ بیٹا والدین کے ساتھ بد کلامی یا بد خوئی سے پیش آتے ان کی توہین کرتے مگر اسلام کا قانون عدل یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں ان کا کہنا نہ مانو مگر دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی یا مالی خدمت میں کمی نہ آنے دو بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو، ان کی بات کا ایسا جواب نہ دو جس سے بلا ضرورت دل

آزاری ہو۔ (سورۂ لقمٰن آیت ۱۵) معارف القرآن ص ۳۶ تا ۳۷ ج ۸)

ہاتھ میں عصا رکھنا

ہاتھ میں عصا رکھنا سنت انبیاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ سنت تھی اور اس میں بے شمار دینی و دنیوی فوائد ہیں۔ (قرطبی)

(سورہ طٰہٰ آیت ۱۸) معارف القرآن حصہ ششم ص ۴۔

حقوق کے معاملہ میں رائے عامّہ معلوم کرنے کے لیے عوامی جلسوں کی آوازیں کافی نہیں

جنگ حنین میں قیدیوں کی واپسی کا مسئلہ تھا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا تو مختلف اطراف سے یہ آواز اٹھی کہ ہم خوشدلی کے ساتھ سب قیدی واپس کرنے کے لیے تیار ہیں۔ مگر عدل و انصاف اور حقوق کے معاملہ میں احتیاط کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی مختلف آوازوں کو کافی نہ سمجھا، اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کون لوگ اپنا حق چھوڑنے کے لیے خوشدلی سے تیار ہوئے اور کون ایسے ہیں جو شرما شرمی خاموش رہے۔ معاملہ لوگوں کے حقوق کا ہے۔ اس لیے ایسا کیا جائے کہ ہر جماعت اور خاندان کے سردار اپنی اپنی جماعت کے لوگوں سے الگ الگ صحیح معلوم کر کے مجھے بتائیں۔ اس کے مطابق سرداروں نے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ سب لوگ خوش دلی سے اپنا حق چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب قیدی ان کو واپس کر دیے۔

(سورۂ توبہ آیت ۲۷) معارف القرآن حصہ چہارم ص ۳۵۰ تا ۳۵۱)

تعلقات کے حقوق شرعیہ ادا کرنا واجب ہے

مسئلہ: جن تعلقات کو قائم رکھنے کا شریعت اسلام نے حکم دیا ہے ان کا قائم رکھنا ضروری اور قطع کرنا حرام ہے۔ غور کیا جائے تو دین و مذہب نام ہی ان حدود و قیود کا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے مقررہ کی گئی ہیں۔

(البقرہ آیت ۲۷)(معارف القرآن ج ۱ ص ۱۷۰)

مسئلہ: جس شخص کے حقوق کسی کے ذمہ ہوں اور اس حیثیت سے وہ واجب الاحترام ہو، اگر ناگزیر حالات میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنی پڑے تو اس میں بھی مقدور بھر حقوق و احترام کی رعایت کرنا شرافت کا مقتضیٰ ہے۔

(سورۂ یوسف آیت ۵۲)(معارف القرآن ج ۵ ص ۱۷)

حقوق کے متعلق ضروری ہدایت

حقوق کے معاملہ میں جب تک خوش دلی کا اطمینان نہ ہو جائے کسی کا حق لینا جائز نہیں مجمع کے رعب یا لوگوں کی شرم سے کسی کا خاموش رہنا رضامندی کے لیے کافی نہیں۔ اسی سے حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ کسی شخص پر اپنی وجاہت کا رعب ڈال کر کسی دینی مقصد کے لیے چندہ کرنا بھی درست نہیں کیونکہ ایسے حالات میں بہت سے شریف آدمی شرما شرمی کچھ دیدیتے ہیں۔ پوری رضامندی نہیں ہوتی اس طرح کے مال میں برکت بھی نہیں ہوتی۔ (سورۂ توبہ آیت ۷۲)(معارف القرآن حصہ چہارم ص ۳۵۲)

خط نویسی کا بیان

مسئلہ: خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے لیکن قرآن و سنت کے نصوص و اشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اس جگہ اس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے۔ تو ایسے خطوط اور

ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ وہ اس طرح اس بے ادبی۔ گناہ کا شریک ہو جائے گا۔ آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں

بہر حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں اس لیے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لیے زبان سے بسم اللہ کہہ لے تحریر میں نہ لکھے

(سورۃ النمل آیت ۳)

خط کا جواب دینا سنت انبیاء ہے

تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اس کے لیے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے اس لیے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح قرار دیتے تھے۔

خطوط میں بسم اللہ لکھنا: خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا سنت انبیاء ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتب اس پر شاہد ہیں کہ بسم اللہ کو سب سے مقدم، اس کے بعد کاتب کا نام پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے۔

یہ سب کلام افضلیت میں ہے جواز میں نہیں اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے آخر میں لکھ دے یہ بھی جائز ہے فقیہ ابو اللیث کی بستان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کر دے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ امت میں یہ طریقہ بھی چلا آ رہا ہے اس پر نکیر نہیں کی گئی۔ (روح المعانی، قرطبی)

خط مختصر اور بلیغ لکھنا چاہئے

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔

(سورۃ النمل آیت ۳۰ تا ۳۳) (معارف القرآن ۵۷۸ تا ۵۷۹ ج ۶)

صلوٰۃ و سلام کا طریقہ

مسئلہ : قعدہ نماز میں تو قیامت تک الفاظ صلوٰۃ و سلام اسی طرح کہنا مسنون ہے جیسا کہ منقول ہے اور خارج نماز میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم خود مخاطب ہوں جیسا کہ آپ کے عہد مبارک میں۔ وہاں تو وہی الفاظ الصلوٰۃ والسلام علیک جیسا کہ اختیار کئے جائیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد روضہ اقدس کے سامنے جب سلام عرض کیا جائے تو اس میں بھی صیغہ السلام علیک کا اختیار کرنا مسنون ہے اس کے علاوہ جہاں غائبانہ صلوٰۃ سلام پڑھا جائے تو صحابہ و تابعین اور ائمہ امت سے صیغہ غائب کا استعمال کرنا منقول ہے۔ مثلاً "صلی اللہ علیہ و سلم" جیسا کہ عام محدثین کی کتابیں اس سے لبریز ہیں۔

مسئلہ : نماز کے قعدہ اخیر میں صلوٰۃ (درود شریف) سنت مؤکدہ تو سب کے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک واجب ہے جس کے ترک سے نماز واجب اعادہ ہو جاتی ہے۔

مسئلہ : اس پر بھی جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا ذکر کرے یا سنے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں آپؐ کے ذکر مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ رغم انف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علیّ یعنی ذلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وقال الترمذی حدیث حسن ورواہ ابن السنی باسناد جید اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علیّ یعنی بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

مسئلہ : اگر ایک مجلس میں آپؐ کا ذکر مبارک بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار ذکر مبارک خود کرے یا کسی سے سنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ حضرات محدثین سے زیادہ کون آپؐ کا ذکر کر سکتا ہے کہ ان کے وقت کا مشغلہ ہی حدیث رسولؐ ہے۔ جس میں ہر وقت بار بار

آپ کا ذکر آتا ہے۔ تمام ائمہ حدیث کا دستور یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ درود و سلام پڑھتے اور لکھتے ہیں تمام کتب حدیث اس پر شاہد ہیں۔ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ اس تکرار صلوٰۃ و سلام سے کتاب کی ضخامت کافی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آتی ہیں جن میں ایک دو سطر کے بعد نام مبارک آتا ہے۔ اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نام مبارک مذکور ہے حضرات محدثین کہیں صلوٰۃ و سلام ترک نہیں کرتے۔

مسئلہ : جس طرح زبان سے ذکر مبارک کے وقت زبانی صلوٰۃ و سلام واجب ہے اسی طرح قلم سے لکھنے کے وقت صلوٰۃ و سلام کا قلم سے لکھنا بھی واجب ہے اور اس میں جو لوگ حروف کا اختصار کر کے (صلعم) لکھ دیتے ہیں۔ یہ کافی نہیں پورا صلوٰۃ و سلام لکھنا چاہئے۔

مسئلہ : ذکر مبارک کے وقت افضل و اعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوٰۃ و سلام دونوں پڑھے اور لکھے جائیں لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک یعنی صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں شیخ الاسلام نووی وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ فرمایا ہے۔ ابن حجر ہیثمیؒ نے فرمایا کہ ان کی مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہونا ہے۔ جس کو اصطلاح میں مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے۔ اور علماء امت کا مسلسل عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ دونوں ہی کو جمع کرتے ہیں اور بعض اوقات ایک پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں۔

مسئلہ : لفظ صلوٰۃ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے لیے استعمال کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ تبعاً جائز ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ سلام کے ساتھ آل و اصحاب یا تمام مومنین کو شریک کر لے اس میں مضائقہ نہیں۔

(۲۰/۱ احزاب آیت ۵۶) معارف القرآن جلد ہفتم ص ۲۲۴ تا ۲۲۵)

باب

احکام المسائل الجدیدہ

امتحانات کے نمبر۔ سند و سارٹیفکیٹ اور ووٹ

لفظ شہادت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عرف میں مشہور ہو گیا ہے وہ تو صرف مقدمات و خصومات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سارٹیفکٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کرنے کے قابل نہیں۔ یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔

اسی طرح امتحانات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلباء کو سارٹیفکٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے اگر وہ شخص واقعہ میں ایسا نہیں ہے تو اس سارٹیفکٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادت کاذبہ کے مجرم

ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔

(سورۃ المائدہ آیت ۱۰) معارف القرآن حصہ سوم ص ۷۷ تا

باہمی مسابقت اور گھوڑ دوڑ کے احکام

مسئلہ: ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ باہمی مسابقت (دوڑ) شریعت میں مشروع اور اچھی خصلت ہے جو جنگ و جہاد میں کام آتی ہے۔ اس سے اصل گھوڑ دوڑ کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے اور گھوڑ دوڑ کے علاوہ دوڑ میں تیر اندازی کے نشانے وغیرہ میں باہمی مقابلہ اور مسابقت جائز ہے اور اس مسابقت میں غالب آنے والے فریق کو کسی تیسرے کی طرف سے انعام دینا بھی جائز ہے۔ لیکن آپس میں ہار جیت کی کوئی رقم بطور شرط ٹھہرانا جوا اور قمار ہے آج کل جتنی صورتیں گھوڑ دوڑ کی رائج ہیں وہ کوئی بھی جوئے اور قمار سے خالی نہیں اس لیے سب حرام و ناجائز ہیں۔

(سورہ یوسف آیت) (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۵)

کھیلوں کے سامان کی خرید و فروخت کے مسائل

مسئلہ: جو سامان کفر و ضلال یا حرام و معصیت ہی کے کھیلوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تجارت اور خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ اور جو لہو مکروہ میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت بھی مکروہ ہے اور جو سامان جائز اور مستحق کھیلوں میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت بھی جائز ہے اور جس سامان کو جائز اور ناجائز دونوں طرح کے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے اس کی تجارت جائز ہے۔

مباح اور جائز کھیل

مسئلہ : مذموم اور ممنوع وہ لہو اور کھیل ہے جس میں کوئی دینی دنیوی فائدہ نہیں۔ جو کھیل بدن کی ورزش، صحت اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے ہوں اور ان میں غلو نہ کیا جائے کہ انہی کو مشغلہ بنالیا جائے۔ اور ضروری کاموں میں ان سے حرج پڑنے لگے تو ایسے کھیل شرعاً مباح اور دینی ضرورت کی نیت سے ہو تو ثواب بھی ہے۔

(سورۂ لقمٰن آیت ۶)(معارف القرآن جلد ہفتم ص ۲۳)

انگریزی دواؤں کے احکام

مسئلہ : وہ تمام انگریزی دوائیں جو یورپ وغیرہ سے آتی ہیں جن میں شراب وغیرہ نجس اشیاء کا ہونا معلوم و یقینی ہو اس کا استعمال اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس دوا کے استعمال سے شفاء ہو جانا عادۃً یقینی ہو اور کوئی حلال دوا اس کا بدل نہ ہو سکے اور جن دواؤں میں حرام و نجس اجزا کا وجود مشکوک ہے ان کے استعمال میں اور زیادہ گنجائش ہے اور احتیاط بہرحال احتیاط ہے خصوصاً جب کہ اور کوئی شدید ضرورت بھی نہ ہو۔

(البقرہ آیت ۱۷۳) ملخصاً معارف القرآن ج۱ ص ۴۲۷

فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے

مسئلہ : بعض لوگوں کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ فوٹو تصویر سے خارج ہے۔ کیونکہ وہ تو ظل اور عکس ہے۔ جیسے آئینہ اور پانی وغیرہ میں آجاتا ہے تو جس طرح آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا جائز ہے ایسے ہی فوٹو ہے فوٹو کی تصویر بھی جائز ہے جواب واضح ہے کہ عکس اور ظل اس وقت تک عکس ہے جب تک وہ کسی ذریعہ سے قائم اور پائیدار نہ بنا لیا جائے۔ جیسے آئینہ پانی میں اپنا عکس۔ جس وقت پانی کے مقابلہ سے آپ ہٹ جائیں

گے ختم ہو جائے گا اگر آئینہ کے اوپر کسی مسالہ یا آلہ کے ذریعہ اس صورت کے عکس کو پائیدار بنا دیا جائے تو یہی تصویر ہو جائے گی جس کی حرمت و ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ (سورۂ سبا آیت ۱۳) (معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۷۱)

مسئلہ : پرندہ کی شکل بنانا تصویر تھا جو اس شریعت (حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شریعت میں) جائز تھا۔ ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا۔

(سورہ آل عمران آیت ۴۹) معارف القرآن جلد دوم ص ۱۰

خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر کے مفید اشعار کا پڑھنا

مسئلہ : جو گانا اجنبی عورت کا ہو یا اس کے ساتھ طبلہ سارنگی وغیرہ مزامیر ہوں وہ حرام ہے۔ اور اگر محض خوش آوازی کے ساتھ کچھ اشعار پڑھے جائیں اور پڑھنے والی عورت یا امرد نہ ہوں اور اشعار کے مضامین بھی فحش یا کسی دوسرے گناہ پر مشتمل نہ ہوں تو جائز ہے۔ (سورۂ لقمن آیت ۷) (معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۷)

قرعہ کے متعلق مسائل

مسئلہ : شریعت محمدؐ میں حنفیہ کے مسلک پر قرعہ کا یہ حکم ہے کہ جن حقوق کے اسباب شرع میں معلوم و متعین ہیں ان میں قرعہ ناجائز و داخل قمار ہے مثلاً شئ مشترک میں جس کا نام نکل آئے وہ سب لے لے یا جس بچے کے نسب میں اختلاف ہو اس میں جس کا نام نکل آوے۔ وہی باپ سمجھا جاوے اور جن حقوق کے اسباب رائے کے سپرد ہوں ان میں قرعہ جائز ہے۔ مثلاً مشترک مکان کی تقسیم میں قرعہ سے زید کو شرقی حصہ دے دینا اور عمرو کو غربی حصہ دیدینا یہ اس لیے جائز ہے کہ بلا قرعہ بھی ایسا کرنا اتفاق شریکین سے یا قضائے قاضی سے جائز تھا۔ (بیان القرآن)

(سورہ آل عمران آیت ۴۴) (معارف القرآن حصہ دوم ص ۶۵)

قرعہ اندازی کا حکم

مسئلہ : قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جا سکتا ہے نہ کسی کو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً قرعہ کے ذریعہ کسی کو چور ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر دو آدمیوں میں یہ اختلاف ہو کہ فلاں جائیداد کس کی ملکیت ہے قرعہ کے ذریعہ اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے۔ جہاں ایک شخص کو شرعاً مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ چند جائز راستوں میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کرلے۔ اب وہ اپنی مرضی سے کوئی راستہ متعین کرنے کے بجائے قرعہ ڈال کر فیصلہ کرے۔ مثلاً جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں۔ اسے سفر میں جاتے وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے جائے۔ اب وہ اپنی مرضی سے ایسا کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کرلے تو بہتر ہے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ (سورہ صفت آیت ۱۴۱)(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۴۷۸)

افسروں، ملازموں، مزدوروں کا اپنی مقررہ ڈیوٹی میں کمی کرنا

یاد رہے کہ ناپ تول کی کمی جس کو قرآن میں تطفیف کہا گیا ہے۔ صرف ڈنڈی مارنے اور ناپنے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ کسی کے ذمہ دوسرے کا حق ہے۔ اس میں کمی کرنا بھی تطفیف میں داخل ہے۔ جیسا کہ مؤطا امام مالکؒ میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کو نماز کے ارکان میں کمی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ تو نے تطفیف کر دی یعنی جو حق واجب تھا وہ ادا نہیں کیا اس کو نقل کر کے امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

لِكُلِّ شَيْءٍ وَفَاءٌ وَتَطْفِيفٌ

یعنی حق کا پورا دینا اور کمی کرنا ہر چیز میں ہوتا ہے صرف ناپ تول میں ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو ملازم اپنی ڈیوٹی پوری نہیں کرتا وقت چراتا ہے یا کام میں کوتاہی

کرتا ہے۔ وہ کوئی وزیر وامیر ہو یا معمولی ملازم اور وہ کوئی دفتری کام کرنے والا ہو یا علمی اور دینی خدمت جو حق اس کے ذمہ ہے۔ اس میں کوتاہی کرے تو وہ بھی مطففین میں داخل ہے۔ اسی طرح مزدور جو اپنی مقررہ خدمت میں کوتاہی کرے وہ بھی اس میں داخل ہے۔
(سورۃ المائدہ آیت ۱۵۲)(معارف القرآن حصہ سوم ص ۴۸۸)

وقت مفوضہ و مقررہ مزدوری میں کمی کرنا

مسئلہ : حضرات فقہاء نے فرمایا کہ آیت میں ناپ تول میں کمی کا جو حکم ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اس سے کم دینا حرام ہے اس لیے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ملازم اپنے مفوضہ اور مقررہ کام میں کمی کرے یا جتنا وقت دینا ہے اس سے کم دے یا مزدور اپنی مزدوری میں کام چوری کرے۔ ناپ تول پورا کرنے کی ذمہ داری بائع (بیچنے والے) پر ڈالی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ناپنے تولنے اور اس کو پورا کرنے کا ذمہ دار بائع ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۵)(معارف القرآن ج پنجم ص ۴۶۸)

ناپ تول کی کمی کی ممانعت

حضرت فاروق اعظمؓ کے ارشاد کے تحت حضرت امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ ناپ تول کی کمی سے اصل مراد یہ ہے کہ کسی کا حق کسی کے ذمہ ہو اس کو پورا ادا نہ کرے بلکہ اس میں کمی کرے۔ خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا دوسری طرح کی اگر کوئی ملازم اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے کسی دفتر کا ملازم یا کوئی مزدور اپنے کام کے وقت مقررہ میں کمی کرتا ہے۔ وہ بھی اسی فہرست میں داخل ہے۔ کوئی شخص نماز کے آداب و سنن پورے بجا نہیں لاتا وہ بھی اسی تطفیف کا مجرم ہے۔ (سورہ ھود آیت ۸۵)(معارف القرآن حصہ چہارم ص ۶۶۴)

مسائل استیذان

مسئلہ : یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا گیا جو مردوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں جیسا کہ عام احکام قرآنیہ اسی طرح مردوں کو مخاطب کر کے آتے ہیں۔ عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں بجز مخصوص مسائل کے جن کی خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ نساء صحابہ کا بھی یہی معمول تھا کہ کسی کے گھر جاویں تو پہلے ان سے استیذان کریں۔ حضرت ام ایاسؓ فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں۔ اور گھر میں جانے سے پہلے ان سے استیذان کرتی تھیں جب وہ اجازت دیتیں تو اندر جاتی تھیں۔

(ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)

مسئلہ : کسی دوسرے شخص کے گھر میں جانے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے مرد عورت محرم غیر محرم سب کو شامل ہے۔ عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد مرد کے پاس سب کو استیذان کرنا واجب ہے اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ماں اور بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی استیذان کرنا چاہئے امام مالک نے موطاء میں مرسلاً عطا ابن یسارؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جانے کے وقت بھی استیذان کروں۔ آپ نے فرمایا ہاں استیذان کرو۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں تو اپنی والدہ ہی کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لیے بغیر گھر میں نہ جاؤ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہر وقت ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔ پھر بھی اجازت لیے بغیر گھر میں نہ جاؤ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا اسی لیے استیذان کرنا چاہئے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہوں۔ (مظہری)

مسئلہ : جس گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اس میں داخل ہونے کے لیے اگرچہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور طریق سنت یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک بغیر کسی

اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکار سے کسی طرح پہلے باخبر کردے پھر داخل ہو۔

مسئلہ : اگر اجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے پھر اجازت لے ورنہ اجازت لے اور جب گھر میں جائے تو سلام کرے۔ مگر عام روایت حدیث سے جو طریقہ مسنون معلوم ہوتا ہے جو یہی ہے کہ پہلے باہر سے سلام کرے "السلام علیکم" اس کے بعد اپنا نام لے کر کہے کہ فلاں شخص ملنا چاہتا ہے۔

مسئلہ : پہلے سلام اور پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کا جو بیان اوپر احادیث سے ثابت ہوا اس میں بہتر یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لے کر طلب کرے جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا عمل تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آکر یہ الفاظ کہے السلام علی رسول اللہ السلام علیکم أیدخل عمرؓ یعنی سلام کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہو سکتا ہے۔ (رواہ قاسم بن اصبغ و ابن عبدالبر فی التمہید عن ابن عباس عن عمرؓ۔ ابن کثیر)

اور صحیح مسلم میں ہے۔ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ تو استیذان کے لیے یہ الفاظ فرمائے السلام علیکم ھذا ابو موسٰی السلام علیکم ھذا الا شعری (قرطبی)

اس میں بھی پہلے اپنا نام ابو موسیٰ بتلایا پھر مزید وضاحت کے لیے اشعری کا ذکر کیا۔ اور یہ اس لیے کہ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو پہنچانے نہیں تو جواب دینے میں تشویش ہوتی۔ اس تشویش سے بھی مخاطب کو بچانا چاہیے۔

مسئلہ : اس معاملہ میں سب سے برا وہ طریقہ ہے جو بعض کرتے ہیں کہ باہر سے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ اندر سے مخاطب نے پوچھا کون صاحب ہیں۔ تو جواب میں یہ کہہ دیا کہ میں ہوں کیونکہ یہ مخاطب کی بات کا جواب نہیں۔ جس نے اول آواز سے نہیں پہچانا وہ میں کے لفظ سے کیا پہچانے گا۔

مسئلہ : اس سے بھی زیادہ برا طریقہ یہ ہے کہ جو آج کل بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں کہ دروازہ پر۔ کھٹ، کی۔ جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب

ہیں تو خاموش کھڑے ہیں۔ کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذا پہنچانے کا بدترین طریقہ ہے جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہو جاتی ہے۔

مسئلہ : روایات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ استیذان کا یہ طریقہ بھی جائز ہے کہ دروازہ پر دستک دیدی جائے۔ بشرطیکہ ساتھ ہی اپنا نام بھی ظاہر کر کے بتلا دیا جائے کہ فلاں شخص ملنا چاہتا ہے۔

مسئلہ : لیکن اگر دستک ہو تو اتنی زور سے نہ دے کہ جس سے سننے والا گھبرا اٹھے بلکہ متوسط انداز سے دے جس سے اندر تک آواز تو چلی جائے لیکن کوئی سختی ظاہر نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تھے تو ان کی عادت یہ تھی کہ ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ (رواہ الخطیب فی جامعہ۔ قرطبی) جو شخص استیذان کے مقصد کو سمجھ لے کہ اصل اس سے استیناس ہے۔ یعنی مخاطب کو مانوس کر کے اجازت حاصل کرنا وہ خود بخود ان سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا۔ جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہو اس سے بچے گا اپنا نام ظاہر کرے اور دستک دے تو متوسط انداز سے دے یہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں۔

مسئلہ : جو لوگ استیذان کرنا چاہیں اور مسنون طریقہ کے مطابق باہر سے پہلے سلام کریں۔ پھر اپنا نام لے کر اجازت لیں۔ ان کے لیے اس زمانے میں بعض دشواریاں یوں بھی پیش آتی ہیں کہ عموماً مخاطب جس سے اجازت لیتا ہے وہ دروازہ سے دور ہے۔ وہاں تک سلام کی آواز اور اجازت لینے کے الفاظ پہنچنا مشکل ہیں اس لیے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اصل واجب یہ بات ہے کہ بغیر اجازت کے گھر میں داخل نہ ہو۔ اجازت لینے کے طریقے ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ دروازہ پر دستک دینے کا تو خود روایات حدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح جو لوگ اپنے دروازوں پر گھنٹی لگا لیتے ہیں۔ اس گھنٹی کا بجا دینا بھی واجب استیذان کی ادائیگی کے لیے کافی ہے۔ بشرطیکہ گھنٹی کے بعد اپنا نام بھی ایسی آواز سے تمام کردے جس کو مخاطب سن لے۔ اس

کے علاوہ اور کوئی طریقہ جو کسی جگہ رائج ہو اس کا استعمال کرلینا بھی جائز ہے۔ جو آج کل شناختی کارڈ کا رواج یورپ سے چلا ہے۔ یہ رسم اگرچہ اہل یورپ نے جاری کی۔ مگر مقصد استیذان اس میں بہت اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے۔ کہ اجازت دینے والے کو اجازت چاہنے والے کا پورا نام وپتہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بغیر کسی تکلیف کے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کو اختیار کرلینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مسئلہ : اگر کسی شخص نے کسی شخص سے استیذان کیا اور اس نے جواب میں کہہ دیا کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی لوٹ جایئے تو اس سے برا نہیں ماننا چاہئے۔ کیونکہ ہر شخص کے حالات اور اس کے مقتضیات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض وقت وہ مجبور ہوتا ہے باہر نہیں آسکتا نہ آپ کو اندر بلا سکتا ہے۔ تو ایسی حالت میں اس کے عذر کو قبول کرنا چاہئے۔ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ۔

یعنی جب آپ سے کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جائیں تو آپ کو خوشدلی سے لوٹ آنا چاہئے اس سے برا ماننا یا وہیں جم کر بیٹھ جانا دونوں چیزیں درست نہیں۔ بعض حضرات سلف سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں عمر بھر اس تمنا میں رہا کہ کسی کے پاس جا کر استیذان کروں اور وہ مجھے یہ جواب دے کہ لوٹ جاؤ تو میں اس حکم قرآن کی تعمیل کا ثواب حاصل کروں۔ مگر عجیب اتفاق ہے کہ مجھے کبھی یہ نعمت نصیب نہ ہوئی۔

مسئلہ : شریعت اسلام نے حسن معاشرت کے آداب سکھانے اور سب کو ایذاء، تکلیف سے بچانے کا دو طرفہ معتدل نظام قائم فرمایا ہے۔ اگر استیذان کرنے پر آپ کو اجازت نہ ملے اور کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو کہنے والوں کو معذور سمجھو اور خوش دلی کے ساتھ واپس لوٹ جاؤ برا نہ مانو اسی طرح ایک حدیث میں اس کا دوسرا رخ اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان لزورک علیک حقا۔ جو شخص آپ سے ملاقات کے لیے آئے اس کا بھی آپ پر حق ہے یعنی اس کا یہ حق کہ اس کو اپنے پاس بلاؤ یا باہر آکر اس سے ملو اس کا اکرام کرو۔ بات سنو بلا کسی شدید مجبوری اور عذر کے ملاقات سے انکار نہ کرو۔

۔ یعنی وزیٹنگ کارڈ۔

مسئلہ : اگر کسی کے دروازے پر جا کر استیذان کیا اور اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو سنت یہ ہے کہ دوبارہ پھر استیذان کرے اور پھر بھی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ کرے۔ اگر تیسری مرتبہ جواب نہ آئے تو اس کا حکم وہی ہے جو ارجعو کا ہے یعنی لوٹ جونا چاہئے۔ کیونکہ تین مرتبہ کہنے سے تقریباً یہ تو متعین ہو جاتا ہے کہ آواز سن لی مگر یا تو وہ شخص ایسی حالت میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا۔ مثلاً نماز پڑھ رہا ہے یا بیت الخلا میں ہے غسل کر رہا ہے اور یا پھر اس کو اس وقت ملنا منظور نہیں دونوں حالتوں میں وہیں جمے رہنا اور مسلسل دستک وغیرہ دیتے رہنا بھی موجب ایذا ہے جس سے بچنا واجب ہے اور استیذان کا اصل مقصد ایذا سے بچنا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا استأذن احدکم ثلاثا فلم یؤذن لہ فلیرجع۔ یعنی جب کوئی آدمی تین مرتبہ استیذان کرے اور کوئی جواب نہ آئے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے (ابن کثیر بحوالہ صحیح بخاری)

اور مسند احمد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور سنت کے مطابق باہر سے استیذان کے لیے سلام کیا السلام علیکم حضرت سعد بن عبادہ نے سلام کا جواب تو دیا مگر آہستہ کہ حضور نہ سنیں آپ نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ سلام کیا۔ حضرت سعدؓ سنتے اور آہستہ جواب دیتے رہے تین مرتبہ ایسا کرنے کے بعد آپ لوٹ گئے۔ جب سعد نے دیکھا اب آواز نہیں آرہی تو گھر سے نکل کر پیچھے دوڑے اور یہ عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ہر مرتبہ آپ کی آواز سنی اور جواب بھی دیا۔ مگر آہستہ دیا تاکہ زبان مبارک سے زیادہ سے زیادہ سلام کے الفاظ میرے بارے میں نکلیں وہ میرے لیے موجب برکت ہوگا۔ (آپ نے ان کو طریقۂ سنت بتلا دیا کہ تین مرتبہ جواب نہ آنے پر لوٹ جانا چاہئے۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر ساتھ لے گئے۔ انہوں نے کچھ مہمانی کی آپ نے اس کو قبول فرمایا۔

حضرت سعد کا یہ عمل غلبہ عشق و محبت کا اثر تھا کہ اس وقت ذہن اس طرف نہ گیا۔ کہ سردار دو عالم دروازے پر تشریف فرما ہیں۔ مجھے فوراً جا کر ان کے قدم چوم لینے

چاہئیں بلکہ ذہن اس طرف متوجہ ہو گیا کہ آپ کی زبان مبارک سے السلام علیکم جتنی مرتبہ زیادہ نکلے گا۔ میرے لیے زیادہ مفید ہو گا۔ بہر حال اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ تین مرتبہ استیذان کے بعد جواب نہ آئے تو سنت یہ ہے کہ لوٹ جائے وہیں جم کر بیٹھ جانا خلاف سنت اور مخاطب کے لیے موجب ایذا ہے کہ اس کو دباؤ ڈال کر نکلنے پر مجبور کرنا ہے۔

مسئلہ : یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سلام یا دستک وغیرہ کے ذریعہ اجازت حاصل کرنے کی کوشش تین مرتبہ کرلی ہو کہ اب وہاں جم کر بیٹھنا موجب ایذا ہے لیکن اگر کوئی کسی عالم یا بزرگ کے دروازہ پر بغیر استیذان کیے ہوئے اور بغیر ان کو اطلاع دیئے ہوئے انتظار میں بیٹھ رہے کہ جب اپنی فرصت کے مطابق باہر تشریف لائیں گے تو ملاقات ہو جائے گی یہ اس میں داخل نہیں بلکہ عین ادب ہے خود قرآن کریم نے لوگوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوں تو ان کو آواز دے کر بلانا ادب کے خلاف ہے بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ انتظار کریں۔ جس وقت آپ اپنی ضرورت کے مطابق باہر تشریف لائیں اس وقت ملاقات کریں۔

مسئلہ : رفاہ عام کے اداروں میں جس مقام پر اس کے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کے لیے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں اس کی پابندی شرعاً واجب ہے۔ مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر بغیر پلیٹ فارم کے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔ ایروڈرم (ہوائی اڈے) کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو۔ وہاں بغیر اجازت کے جانا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ : اسی طرح مساجد۔ مدارس۔ خانقاہوں۔ ہسپتالوں میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کے لیے مخصوص ہوں۔ جیسے مساجد مدارس اور خانقاہوں کے خاص حجرے یا ریلوے۔ ایروڈرم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریضوں یا دوسرے لوگوں کی رہائش گاہ ہیں۔ وہ بیوت غیر مسکونہ کے حکم میں نہیں بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں وہاں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔

(سورۃ النور آیت ۲۷ تا ۲۹) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۷۷ تا ۳۸۲)

استیذان سے متعلق چند دوسرے مسائل ٹیلیفون سے متعلق بعض مسائل

مسئلہ : کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو بلا ضرورت شدید جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی وہی ایذارسانی ہے۔ جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ : جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے۔ پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ : جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے۔ پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ : ٹیلیفون پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ذرا سی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے؟ اور اس ضرورت سے وہ کسی بھی حال میں اور اپنے ضروری کام میں ہو تو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے۔ کوئی بے رحم آدمی اس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ : بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے۔ اور کوئی پرواہ نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے۔ کیا کہنا چاہتا ہے؟ یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے۔ جیسے حدیث میں آیا ہے۔ ان لزورک علیک حقا یعنی جو شخص آپ کی ملاقات کو آئے اس کا تم پر حق ہے کہ اس سے بات کرو۔ اور بلا ضرورت

ملاقات سے انکار نہ کرو۔ اس طرح جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔

مسئلہ : جن مکانوں میں داخل ہونا آیات مذکورہ میں بغیر اجازت کے ممنوع قرار دیا ہے۔ یہ عام حالات میں ہے اگر اتفاقاً کوئی حادثہ آگ لگنے یا مکان منہدم ہونے کا پیش آجائے تو اجازت لیے بغیر اس میں جاسکتے ہیں اور امداد کے لیے جانا چاہیے۔ (مظہری)

مسئلہ : جس شخص کو کسی نے بلا بھیجا ہے اگر وہ اس کے قاصد کے ساتھ ہی آگیا۔ تو اب اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں قاصد کا آنا ہی اجازت ہے۔ ہاں اگر اس وقت نہ آیا کچھ دیر کے بعد پہنچا تو اجازت لینا ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اذا دعی احدکم فجاء مع الرسول فان ذلک لہ اذن یعنی جو بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آجائے تو یہی اس کے لیے اندر آنے کی اجازت ہے۔

(رواہ ابوداؤد۔ مظہری) سورۃ النور آیت ۲۷ تا ۲۹)

معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۹۴ تا ۳۹۵

مریض کو دوسرے کا خون دینے کی بعض شرائط

اس کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا دو وجہ سے حرام ہو اول اس لیے کہ اعضاء انسانی کا احترام واجب ہے اور یہ اس احترام کے منافی ہے۔ دوسرے اس لیے کہ خون نجاست غلیظہ ہے اور نجس چیزوں کا استعمال نا جائز ہے لیکن علاج و دوا کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے۔ اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کے لیے مؤثر یا موجود نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو' ان شرطوں کے ساتھ خون دینا تو اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے جس میں مضطر کے لیے مردار جانور کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحۃً مذکور ہے اور اگر اضطراری حالت میں نہ ہو تو ایسی حالت میں مسئلہ مختلف فیہا ہے بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے جس کی تفصیل کتب فقہ بحث تداوی بالحرام میں مذکور ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ احقر کا

ـ مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر شائع ہوگیا ہے جس کا نام اعضائے انسانی کی پیوند
ٔاری ہے اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔(سورہ بقرہ آیت ۱۷۳)(معارف القرآن ج ۱ ص ۴۱۹
۴۲۰، ۴۲۱)

کشتی، بحری جہاز اور دوسری سواریوں پر سوار ہونے کا ادب

س مسئلہ : کشتی اور سواری پر سوار ہونے میں ادب یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَ
مُرْسٰھَا پڑھ کر سوار ہوں۔(سورہ ھود آیت ۴۰) معارف القرآن جلد چہارم ص ۲۲۵

باب

الوصیت

وصیت کے متعلق مسائل

مسئلہ : جن رشتہ داروں کے حصے قرآن کریم نے خود مقرر کردیئے ہیں ان کے لیے اب وصیت واجب نہیں۔ بلکہ بدون اجازت دوسرے وارثوں کے جائز بھی نہیں' البتہ جو رشتہ دار شرعی وارث نہیں ان کے لیے وصیت کرنے کی اجازت ایک تہائی مال تک ہے۔

مسئلہ : اس آیت میں ذکر ایک خاص وصیت کا تھا۔ جو مرنے والا اپنے متروکہ مال کے متعلق کرتا تھا۔ جو منسوخ ہو گیا۔ لیکن جس شخص کے ذمے دوسرے لوگوں کے حقوق واجب ہوں یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو۔ اس پر ان تمام چیزوں کی ادائیگی کے لیے وصیت واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ

ـــ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ○

جس شخص کے ذمہ کچھ لوگوں کے حقوق ہوں اس پر تین راتیں ایسی نہ گذرنی چاہئیں کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس موجود نہ ہو۔

مسئلہ : آدمی کو جو ایک تہائی مال میں وصیت کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ اپنی زندگی میں اس کو یہ بھی حق رہتا ہے کہ اس وصیت میں کچھ تبدیلی کر دے یا بالکل ختم کر دے۔
(جصاص) (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۰) (معارف القرآن حصہ اول ص ۴۴۱)

وصیت کے متعلق احکام و مسائل

مسئلہ : میت جس شخص کو مال سپرد کر کے اس کے متعلق کسی کو دینے دلانے کے لیے کہہ جائے وہ وصی ہے اور وصی ایک شخص بھی ہو سکتا ہے۔ اور زیادہ بھی۔

مسئلہ : وصی کا مسلمان اور عادل ہونا خواہ حالت سفر ہو یا حضر افضل ہے لازم نہیں۔

مسئلہ : نزاع میں جو امر زائد کا مثبت ہو مدعی اور دوسرا مدعا علیہ کہلاتا ہے۔

مسئلہ : اول مدعی سے گواہ لیے جاتے ہیں۔ اگر موافق ضابطہ شرعی کے پیش کر دے مقدمہ وہی پاتا ہے۔ اگر پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔ اور مقدمہ وہ پاتا ہے۔ البتہ اگر قسم سے انکار کر جائے تو پھر مدعی مقدمہ پالیتا ہے۔

مسئلہ : قسم کی تغلیظ زمان یا مکان حاکم کی رائے پر ہے۔

مسئلہ : اگر مدعا علیہ کسی اپنے فعل کے متعلق قسم کھائے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھ کو اس فعل کی اطلاع نہیں۔

مسئلہ : اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعا علیہ ہو تو جن کو شرعاً میراث پہنچتی ہو ان پر قسم آئے گی خواہ وہ واحد ہو یا متعدد اور جو وارث نہیں ان پر قسم نہ ہوگی۔
(بیان القرآن)

ایک کافر کی شہادت دوسرے کافر کے معاملہ میں قابل قبول ہے

جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو دو ایسے آدمیوں کو وصی بناؤ جو تم میں سے ہوں اور نیک ہوں اور اگر اپنی قوم کے آدمی نہیں تو غیر قوم (یعنی کافر) سے بناؤ اس سے امام ابو حنیفہؒ نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ کفار کی شہادت بعض کی بعض پر جائز ہے۔ کیونکہ کفار کی شہادت بعض کی بعض پر بطریق اولیٰ جائز ہے۔

(سورۃ المائدہ ۱۰۶ تا ۱۰۸)(معارف القرآن حصہ سوم ص ۲۵۷ تا ۲۵۸)

باب

المیراث

شوہراور بیوی کا حصہ

مسئلہ : فوت ہونیوالی عورت نے اگر کوئی بھی اولاد نہ چھوڑی ہو تو شوہر کو بعد اداءِ دین و انفاذ وصیت مرحومہ کے کل کا نصف ملے گا اور باقی نصف میں دوسرے ورثہ مثلاً مرحومہ کے والدین، بھائی، بہن حسب قاعدہ حصہ پائیں گے۔

اور اگر مرنے والی نے اولاد چھوڑی ہو ایک ہو یا دو ہو، یا اس سے زائد ہوں لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔ اس شوہر سے ہو جس کو چھوڑ کر وفات پائی ہے یا اس سے پہلے کسی اور شوہر سے ہو تو اس صورت میں موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے اداءِ دین و انفاذ وصیت کے بعد کل مال کا چوتھائی ملے گا۔ اور بقیہ تین چوتھائی حصے دوسرے ورثہ کو ملیں گے۔ یہ شوہر کے حصہ کی تفصیل تھی۔

اور اگر میاں بیوی میں سے مرنے والا شوہر ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو اداءِ دین و انفاذ وصیت کے بعد بیوی کو مرنے والے کے کل مال کا چوتھائی ملے گا اور اگر اس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے۔ خواہ اس بیوی سے ہو یا کسی دوسری بیوی سے تو اس صورت میں بعد اداءِ دین وصیت کے آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر بیوی ایک سے زائد

ہے تو بھی مذکورہ تفصیل کے مطابق ایک بیوی کے حصہ میں جتنی میراث آئے گی۔ وہ ان سب بیویوں میں تقسیم کی جائے گی۔ یعنی ہر عورت کے چوتھائی اور آٹھواں حصہ نہیں ملے گا بلکہ سب بیویاں چوتھائی اور آٹھواں حصہ میں شریک ہوں گی۔ اور ان دونوں حالتوں میں شوہر بیوی کو ملنے کے بعد جو کچھ ترکہ بچے گا۔ وہ ان کے دوسرے ورثہ میں تقسیم کردیا جائے گا۔

مسئلہ : یہ دیکھنا چاہئے کہ بیوی کا مہر ادا ہو گیا ہے یا نہیں۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو دوسرے قرضوں کی طرح اولاً کل مال" سے دین مہر ادا ہو گا۔ اس کے بعد ترکہ تقسیم ہو گا۔ مہر لینے کے بعد عورت اپنی میراث کا حصہ بھی میراث میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے وصول کرلے گی۔ اور اگر میت کا مال اتنا ہے کہ مہر ادا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو بھی دوسرے دیون کی طرح پورا دین مہر میں عورت کو دیدیا جائے گا۔ اور کسی وارث کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔ (سورہ نساء آیت ۱۲) (معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۲۵ تا ۳۲۶)

وصیت اور احکام المیراث

مسئلہ : اگر دین اور وصیت نہ ہو تو تجہیز و تکفین کے بعد بچا ہوا کل مال وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ وارث کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے۔ اگر کسی نے اپنے لڑکے۔ لڑکی۔ شوہر یا بیوی کے لیے یا اور کسی شخص کے لیے وصیت کی جس کو میراث میں حصہ ملنے والا ہے تو اس وصیت کا کچھ اعتبار نہیں۔ وارثوں کو صرف میراث کا حصہ ملے گا۔ اس سے زیادہ کے وہ مستحق نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ ○

(بحوالہ ابو داؤد ص ۳۶۵) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا ہے پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت معتبر نہیں۔

ہاں اگر دیگر وارث اجازت دے دیں تو جس وارث کے لیے وصیت کی ہے اس کے حق میں وصیت نافذ کرکے باقی مال شرعی طریقہ پر تقسیم کیا جائے۔ جس میں اس وارث کی بھی اپنے حصہ کی میراث ملے گی۔

مسئلہ: میت کی تجہیز و تکفین کے بعد کل مال سے قرضے ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے تہائی مال میں وصیت نافذ ہو گی۔ اگر اس سے زیادہ وصیت ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں ضابطہ میں ادائے دین انفاذ وصیت سے مقدم ہے۔ اگر تمام مال ادائے دیون میں لگ جائے تو نہ وصیت نافذ ہو گی نہ میراث چلے گی۔ جہاں جہاں وصیت کا ذکر آیا ہے وہاں وصیت کا ذکر دین سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وصیت کا حق دین سے مقدم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرمایا۔

انکم تقرءون ھٰذہ الایۃ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ تُوْصُوْنَ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ اوان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم قضٰی بالدین قبل الوصیۃ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی ص ۲۶۴)

ترجمہ: یعنی آپ حضرات...... یہ آیت تلاوت کرتے ہیں "من بعد وَصِیَّۃٍ تو صون بہا او دین۔" اس میں گو لفظ وصیت مقدم ہے۔ لیکن عملی طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دین کے بعد رکھا ہے۔" تاہم یہ نکتہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اگر عملاً وصیت مؤخر ہے تو لفظاً اس کو دین سے پہلے کیوں بیان کیا گیا' صاحب روح المعانی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

وتقدیم الوصیۃ علی الدین ذکرًا مع ان الدین مقدم علیھا حکما لاظھار کمال العنایۃ بنفیذھا لکونھا مظنۃ للتفریط فی ادائھا الخ "یعنی آیت میں دین پر وصیت کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ میراث کی طرح بغیر کسی عوض کے ملتی ہے۔ اور اس میں رشتہ دار ہونا بھی ضروری نہیں۔ اس لیے وارثین کی جانب سے اس کو نافذ کرنے میں کوتاہی ہونے یا دیر ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ اپنے مورث کا مال کسی کے پاس جاتا ہوا دیکھنا اس کو ناگوار ہو سکتا تھا۔ اس لیے شان وصیت کا اہتمام فرماتے ہوئے دین پر اس کو مقدم کیا گیا۔ پھر یہ بھی بات ہے کہ قرض کا ہر میت پر ہونا ضروری نہیں۔ اور اگر زندگی میں رہا ہو تو موت تک اس کا باقی رہنا بھی ضروری نہیں۔ اور اگر میت کے وقت موجود بھی ہو تب بھی چونکہ اس کا مطالبہ حق دار کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لیے ورثہ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے اس میں کوتاہی کا احتمال بہت کم ہے۔ بخلاف وصیت کے کہ جب میت مال چھوڑتا ہے تو اس کا یہ بھی دل چاہتا ہے کہ صدقہ

جاریہ کے طور پر اپنا حصہ کسی کار خیر میں صرف کر جائے۔ یہاں چونکہ اس مال میں کسی کی طرف سے مطالبہ نہیں ہوتا اس لیے وارثوں کی طرف سے کوتاہی کا امکان تھا۔ جن کا سدباب کرنے کی لیے بطور خاص ہر جگہ وصیت کو مقدم کیا گیا۔

مسئلہ: اگر دین اور وصیت نہ ہو تو تجہیز و تکفین کے بعد بچا ہوا کل مال وارثوں میں تقسیم ہوگا۔

مسئلہ: وارث کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے۔ اگر کسی نے اپنے لڑکے لڑکی، شوہر یا بیوی کے لیے یا اور کسی ایسے شخص کے لیے وصیت کی جس کو میراث میں حصہ ملنے والا ہے تو اس وصیت کا کچھ اعتبار نہیں وارثوں کو صرف میراث کا حصہ ملے گا۔ اس سے زیادہ کے وہ مستحق نہیں ہاں اگر دیگر وارث اجازت دیدیں تو جس وارث کے لیے وصیت نافذ کر کے باقی مال شرعی طریقے پر تقسیم کیا جائے جس میں اس وارث کو بھی اپنے حصہ کی میراث ملے گی۔ (سورہ نساء آیت ۱۲) (معارف القرآن ج ۲ ص ۳۲۸ تا ۳۳۰)

تکملہ احکام میراث

مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا

اگرچہ میراث کی تقسیم نسبی قرابت پر رکھی گئی ہے۔ لیکن اس میں سے بعض چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ اول یہ کہ مورث اور وارث دو مختلف دین والے نہ ہوں۔ لہٰذا مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔ خواہ ان میں آپس میں کوئی بھی نسبی رشتہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ (مشکوٰۃ ص ۲۶۳)

یعنی مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔

یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے جب کہ پیدائش کے بعد ہی سے کوئی شخص مسلم یا کافر ہو لیکن اگر کوئی شخص پہلے مسلمان تھا۔ پھر العیاذ باللہ اسلام سے پھر گیا۔ اور

مرتد ہوگیا۔ اگر ایسا شخص مرجائے یا مقتول ہو جائے تو اس کا وہ مال جو اسلام کے زمانہ میں کسب کیا تھا اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا۔ اور جو ارتداد کے بعد کمایا ہو وہ بیت المال میں جمع کردیا جائے گا۔ لیکن اگر عورت مرتد ہوگئی تو اس کا کل مال خواہ زمانہ اسلام میں حاصل ہوا ہو یا زمانہ ارتداد میں، اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا۔ لیکن خود مرتد مرد ہو یا عورت اس کو نہ کسی مسلمان سے میراث ملے گی نہ مرتد سے۔

قاتل کی میراث

اگر کوئی شخص ایسے آدمی کو قتل کردے جس کے مال میں اس کو میراث پہنچتی ہو تو یہ قاتل اس شخص کی میراث سے محروم ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلْقَاتِلُ لَا يَرِثُ (مشکوٰۃ ۲۶۳) "یعنی قاتل وارث نہیں ہوگا۔" البتہ قتل خطا کی بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے)۔

پیٹ میں جو بچہ ہے اس کی میراث

اگر کسی شخص نے اپنی کچھ اولاد چھوڑی۔ اور بیوی کے پیٹ میں بھی بچہ ہے۔ تو یہ بچہ بھی وارثوں کی فہرست میں آئے گا۔ لیکن چونکہ یہ پتہ چلانا دشوار ہے کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، یا ایک سے زیادہ بچے ہیں اس لیے بچہ پیدا ہونے تک تقسیم میراث ملتوی رکھنا مناسب ہوگا۔ اور اگر تقسیم کرنا ضروری ہی ہو تو سردست ایک لڑکا یا لڑکی فرض کرکے دونوں کے اعتبار سے دو صورتیں فرض کی جائیں ان دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں ورثہ کو کم ملتا ہو وہ ان میں تقسیم کردیا جائے اور باقی اس حمل کے لیے رکھا جائے۔

معتدہ کی میراث

جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور طلاق رجعی ہے۔ پھر طلاق سے رجوع اور عدت ختم ہونے سے پہلے وفات پاگیا۔ تو یہ عورت میراث میں حصہ پاوے گی۔ اس لیے کہ نکاح باقی ہے۔

مسئلہ: اور اگر کسی شخص نے مرض الوفات میں بیوی کو طلاق دی۔ اگرچہ طلاق بائن

یا مغلظہ ہی ہو۔ اور عدت ختم ہونے سے پہلے مرگیا تب بھی وہ عورت اس کی وارث ہوگی۔ اور عورت کو وارث بنانے کی وجہ سے دو عدتوں میں سے جو سب سے زیادہ دراز ہو اسی کو اختیار کیا جائے گا۔ جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ۔

عدت طلاق تین حیض ہے۔ اور عدت وفات چار مہینہ دس دن ہے۔ ان دونوں میں جو عدت زیادہ دنوں کی ہو اسی کو عدت قرار دیا جائے گا تاکہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو حصہ مل سکے۔

اور اگر کسی شخص نے مرض الوفات سے پہلے بائن یا مغلظہ طلاق دی اور اس کے چند دن بعد عورت کی عدت میں وہ فوت ہوگیا۔ تو اس صورت میں اس کو میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ اگر طلاق رجعی دی ہے۔ تو وہ وارث ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی عورت نے شوہر کے مرض وفات میں خود سے خلع کرلیا تو وارث نہیں ہوگی۔ اگرچہ اس کا شوہر اس کی عدت کے دوران مرجائے۔

عصبات کی میراث

فرائض کے مقررہ بارہ حصے ورثہ کے لیے طے شدہ ہیں۔ اور ان وارثوں کو اصحاب الفروض کہا جاتا ہے۔ اگر اصحاب الفروض میں سے کوئی نہ ہو۔ یا اصحاب الفروض کے حصے دیدینے کے بعد کچھ مال بچ جائے۔ تو وہ عصبہ کو دیدیا جاتا ہے۔ اور بعض مرتبہ ایک ہی شخص کو دونوں حیثیتوں سے مال مل جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں میت کی اولاد اور میت کا والد بھی عصبہ ہو جاتے ہیں۔ دادا کی اولاد یعنی چچا اور باپ کی اولاد یعنی بھائی بھی عصبہ ہو جاتے ہیں۔ عصبات کی کئی قسمیں ہیں۔ یہاں ایک مثال لکھی جاتی ہے۔ مثلاً زید فوت ہوگیا۔ اور اس نے اپنے پیچھے چار وارث چھوڑے۔ بیوی۔ لڑکی ماں اور چچا تو اس کے مال کے کل چوبیس حصے کیے جائیں گے۔ جن میں سے آدھا یعنی بارہ حصے لڑکی کو ۱/۸ کے حساب سے تین حصے بیوی کو ۱/۶ کے حساب سے چار حصے ماں کو اور بقیہ پانچ حصے جو بچے وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے چچا کو ملیں گے۔

مسئلہ: عصبات اگر نہ ہو تو اصحاب فرائض سے جو مال بچے وہ ان کے حصوں کے

مطابق انہی کو دیدیا جاتا ہے۔ اور اس کو علم فرائض کی اصطلاح میں رد کہتے ہیں۔ البتہ شوہر اور بیوی پر رد نہیں ہوتا کسی حال میں ان کو مقررہ حصے سے زیادہ نہیں دیا جاتا۔

مسئلہ: اگر اصحاب فروض میں سے کوئی نہ ہو اور عصبات میں بھی کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام کو میراث پہنچ جاتی ہے۔ ذوی الارحام کی فہرست طویل ہے۔ نواسے۔ نواسیاں۔ بہنوں کی اولاد۔ پھوپھیاں۔ ماموں۔ خالہ۔ یہ لوگ ذوی الارحام کی فہرست میں آتے ہیں۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

(سورہ نساء آیت ۱۳، ۱۴) (معارف القرآن جلد دوم ص ۳۳۲ تا ۳۳۴)

اموال یتامیٰ سے متعلق بعض مسائل

یتیم کا ولی اس کے مال میں سے ضرورۃً کچھ لے سکتا ہے

مسئلہ: جو شخص کسی یتیم بچے کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت میں اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے کیا اس کو یہ حق ہے کہ یتیم کے مال میں سے اپنا حق الخدمت کچھ لیلے؟ چنانچہ فرمایا ومن کان غنیا فلیستعفف۔ یعنی جو شخص حاجتمند نہ ہو۔ اپنی ضرورت کا تکفل کسی دوسرے ذریعہ سے کر سکتا ہو۔ اس کو چاہئے کہ یتیم کے مال میں سے حق الخدمت نہ لیا کرے۔ کیونکہ یہ خدمت اس کے ذمہ فرض ہے اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ جو ولی یتیم، فقیر محتاج ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو وہ یتیم کے مال میں سے ایک مناسب مقدار کھا سکتا ہے جس سے حاجات ضروریہ پوری ہو جائیں۔

مسئلہ: مال سپرد کرتے وقت گواہ بنانا! جب آزمائش کے بعد یتیموں کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو چند ثقہ اور نیک لوگوں کو گواہ بنالیا کرو۔ تاکہ آئندہ کسی نزاع اور جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں ہر چیز ہے۔

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ! یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ جو آج کل بلاوجہ ایک نزاعی مسئلہ بنا دیا گیا ہے وہ خود بخود ایک قطعی فیصلہ کے ساتھ حل ہو جاتا ہے کہ اگرچہ یتیم پوتا بہ نسبت بیٹے کے ضرورتمند زیادہ ہو لیکن "اقربون" کے قانون کی رو سے وہ مستحق وراثت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ بیٹے کی موجودگی میں اقرب نہیں۔ البتہ اس کی ضرورت رفع کرنے کے لیے دوسرے انتظامات کئے گئے ہیں۔

متوفی کی ملکیت میں جو کچھ ہو سب اس کی وراثت کا حصہ ہے

بعض قوموں میں بعض اقسام مال کو بعض خاص وارثوں کے لیے مخصوص کرلیا جاتا تھا۔ مثلاً گھوڑا اور تلوار وغیرہ اسلحہ' یہ سب صرف نوجوان مردوں کا حق تھا۔ دوسرے وارثوں کو ان سے محروم کردیا جاتا تھا۔ قرآن کریم کی اس ہدایت نے بتلا دیا کہ میت کی ملکیت میں جو چیز بھی تھی' خواہ بڑی ہو یا چھوٹی ہر چیز میں ہر وارث کا حق ہے۔ کسی وارث کو کوئی خاص چیز بغیر تقسیم کے خود رکھ لینا جائز نہیں۔

(سورہ نساء آیت ۷ تا ۱۰)(معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۲۱ تا ۳۲۴)

مسئلہ! میت کے بدن کے کپڑے بھی ترکہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کو حساب میں لگائے بغیر یونہی صدقہ کردیتے ہیں۔ بعض علاقوں میں تانبے پیتل کے برتن مال کو تقسیم کئے بغیر فقیروں کو دیدیتے ہیں۔ حالانکہ ان سب میں نابالغوں اور غیر حاضر وارثوں کا بھی حق ہوتا ہے۔ پہلے مال بانٹ لیں جس میں سے مرنے والے کی اولاد' بیوی' والدین بہنیں جس جس کو شرعاً حصہ پہنچتا ہو اس کو دیدیں۔ اس کے بعد اپنی خوشی سے جو شخص چاہے مرنے والے کی طرف سے خیرات کریں۔ یا مل کر کریں تو صرف بالغین کریں نابالغ کی اجازت کا اعتبار نہیں۔ اور جو وارث غیر حاضر ہو اس کے حصہ میں اس کی اجازت کی بغیر بھی تصرف درست نہیں۔

مسئلہ: میت کو قبرستان لے جاتے وقت جو چادر جنازہ کے اوپر پر ڈالی جاتی ہے۔ وہ کفن میں شامل نہیں ہے۔ اس کو میت کے مال سے خریدنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ مال مشترک ہے۔ کوئی شخص اپنی طرف سے خرچ کردے تو جائز ہے۔ بعض علاقوں میں نماز جنازہ پڑھانے والے امام کے لیے کفن ہی کے کپڑے میں سے مصلیٰ تیار کیا جاتا ہے اور پھر یہ مصلیٰ امام کو دیدیا جاتا ہے۔ یہ خرچ بھی کفن کی ضرورت سے فاضل ہے' ورثہ کے مشترک مال میں سے اس کا خریدنا جائز نہیں۔

مسئلہ: بعض جگہ میت کے غسل کے لیے نئے برتن خریدے جاتے ہیں۔ پھر ان کو توڑ دیا جاتا ہے۔ اول تو نئے خریدنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ گھر کے موجودہ برتنوں سے غسل دیا جا سکتا ہے۔ اور اگر خریدنے کی ضرورت پڑ جائے تو توڑنا جائز نہیں۔ اول تو

اس میں مال ضائع کرنا ہے اور پھر ان سے یتیموں کا غائب وارثوں کا حق وابستہ ہے۔

مسئلہ: ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس میں سے مہمانوں کی خاطر تواضع اور صدقہ و خیرات کچھ جائز نہیں اس طرح کے صدقہ و خیرات کرنے سے مردے کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا۔ بلکہ ثواب سمجھ کر دینا اور بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔ اس لیے کہ مورث کے مرنے کے بعد اب یہ سب مال تمام وارثوں کا حق ہے۔ اور ان میں یتیم بھی ہوتے ہیں اس مشترک مال میں سے دینا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی کا مال چرا کر میت کے حق میں صدقہ کردیا جائے۔ پہلے مال تقسیم کردیا جائے۔ اس کے بعد اگر وہ وارث اپنے مال میں سے اپنی مرضی سے میت کے حق میں صدقہ خیرات کریں تو ان کو اختیار ہے۔

تقسیم سے پہلے بھی وارثوں سے اجازت لے کر مشترک ترکہ میں سے صدقہ خیرات نہ کریں۔ اس لیے کہ جو ان میں یتیم ہیں۔ ان کی اجازت تو معتبر ہی نہیں۔ اور جو بالغین ہیں۔ وہ بھی ضروری نہیں کہ خوش دلی سے اجازت دیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لحاظ کی وجہ سے اجازت دینے پر مجبور ہوں اور لوگوں کے طعنوں کے خوف سے کہ اپنے مردہ کے حق میں دو پیسے تک خرچ نہ کیے۔ اس عار سے بچنے کے لیے بادل ناخواستہ حامی بھر لے۔ حالانکہ شریعت میں صرف وہ مال حلال ہے جب کہ دینے والا طیب خاطر سے دے رہا ہو۔ (سورۂ نساء آیت ۷ تا ۱۰) (معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۱۵، ۳۱۶ تا ۳۱۷)

متبنّٰی کے بارے میں حکم

مسئلہ: بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے۔ کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمدؐ کہا کرتے تھے۔ (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متبنّٰی بنالیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے یہ عادت چھوڑ دی۔

مسئلہ: اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں۔ جب کہ محض شفقت کی وجہ سے ہو متبنّٰی قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ اگرچہ جائز ہو مگر پھر بھی بہتر نہیں کہ صورۃً ممانعت میں داخل ہے۔ (کذا فی الروح عن الخفاجی علی البیضاوی)

(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۸۵) (سورۂ احزاب آیت ۴)

ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے

مسئلہ: ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے مالی نعمت کا شکریہ ہے کہ اس مال سے کچھ اللہ کے لیے اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرے۔ اور نعمت بدن کا شکریہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے اور علم و معرفت کی نعمت کا شکریہ ہے کہ دوسروں کو اس کی تعلیم دے (مظہری) (سورۃ الضحیٰ آیت ۱۱) (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۸.

ناجائز کام میں ایک درہم خرچ کرنا بھی اسراف ہے

مسئلہ: امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حرام و ناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تبذیر ہے اور جائز و مباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے یہ بھی تبذیر میں داخل ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اصل راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ تو وہ تبذیر میں داخل نہیں (قرطبی) ج ۱۰ ص ۲۴۸ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۷)

(معارف القرآن جلد پنجم ص ۴۵۸)

داعیِ حق کے لیے تلقین

مسئلہ: داعیِ حق کو تلقین کی گئی ہے کہ مخالفین کے دلائل و شبہات کا جواب تو دیدو۔ لیکن وہ جو جہالت و حماقت یا دشنام طرازی کی بات کریں اس کا جواب انہی کی زبان میں دینے کے بجائے سکوت اختیار کرو اور یہ جو فرمایا کہ کہہ دو تم کو سلام کرتا ہوں۔ اس سے یہ مقصد نہیں ہے کہ انہیں السلام علیکم کہا جائے۔ کیونکہ کسی غیر مسلم کو ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کسی شخص سے قطع تعلق کرنا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ "میری طرف سے سلام" یا "تمہیں سلام کرتا ہوں۔" اس سے حقیقی طور پر سلام کرنا مقصد نہیں ہوتا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ میں خوبصورتی کے ساتھ تم سے قطع تعلق کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا جن حضرات نے اس آیت سے استدلال کر کے کافروں کو "السلام علیکم" یا سلام کہنا جائز قرار دیا ہے۔ ان کا قول مرجوح ہے۔

(روح المعانی) (سورۃ الزخرف آیت ۸۹) (معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۷۵۴)